دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

ISSN 2320-8600

اکتوبر - نومبر - دسمبر 2018

عالم اسلام کو یوم ولادت نبوی ﷺ کے
پر سعید موقع پر تبریک و تہنیت پیش ہے۔

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

مسودے دیجیے .... کتابیں لیجیے

صائمہ پبلی کیشن کی اہم مطبوعات

احمد مارکیٹ، لنگر ٹولی، دریاپور، پٹنہ ۸۰۰۰۰۴

رابطہ:- 8987063281, 9835076367

ن ش	کتاب کا نام	مصنف	صنف	صفحات	سال اشاعت	قیمت	کتاب ملنے کا پتہ
۱	پیمانۂ دل	محمد ضیاالحسن رضوی	شعری مجموعہ	۲۵۶	۲۰۱۸	۳۵۰	صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ
۲	نقوش پا	ڈاکٹر سید مظفر عالم ضیاؔ	ایضا	۱۵۲	ایضا	۳۰۰	سید سرفراز عالم، دار النشاط، دریاپور، پٹنہ ۸۰۰۰۰۴
۳	گفتگو کتابوں سے	منیر سیفی	تنقید	۱۸۴	۲۰۱۷	۳۰۰/	مالک لین، سمن پورہ، وی بی سی، پٹنہ ۸۰۰۰۱۴ (بہار)
۴	نذرانہ	ڈاکٹر یاسمین اختر	افسانے	۱۴۰	ایضا	۳۰۰/	محمد فخر عالم، ٹینک لین گمتی، نمبر ۳، بھیکن پور، بھاگلپور
۵	برجستہ دوم	ڈاکٹر مسعود الرحمٰن	مضامین	۱۴۴	ایضا	۲۰۰	صائمہ پبلی کیشن دریاپور، پٹنہ
۶	بدلتے منظر	سمیعہ نسیم	شعری مجموعہ	۹۶	۲۰۱۶	۲۰۰/	بی/۱۳۷ اپیپلس کواپریٹیو، کالونی، کنکر باغ، پٹنہ ۲۰
۷	اندھرے اجالے	حسن جبیں شکیل	افسانے	۱۵۲	ایضا	۲۰۰/	معرفت معروف خاں بھیکن پور، گمتی نمبر ۳
۸	عصمت چغتائی کے افسانوں کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر ثریا جبیں	تحقیق	۱۲۰	ایضا	۲۵۰	صائمہ پبلی کیشن، دریاپور پٹنہ ۴
۹	احمد یوسف کا افسانوی سفر	ڈاکٹر عرفان ضیا یوسف	مضامین	۳۲۸	ایضا	۵۵۰	عرفان ضیا یوسف، صدر گلی، پٹنہ سٹی ۸۰۰۰۰۸
۱۰	پنجڑے کا قیدی	ڈاکٹر قمر جہاں	افسانوی مجموعہ	۱۳۶	۲۰۱۵	۳۰۰/	معرفت محمد بدر الحسن، گمتی نمبر ۳، بھیکن پور، بھاگلپور
۱۱	غالب کے اسالیب	ڈاکٹر یاسمین اختر	تنقید	۹۶	۲۰۱۵	۱۰۰/	معرفت فخر عالم، ٹینک لین گمتی نمبر ۳، بھیکن پور، بھاگلپور، بہار
۱۲	سلسلہ	ایضا	افسانوی مجموعہ	۱۶۰	ایضا	۳۰۰	ایضا
۱۳	پروین شاکر حیات اور کارنامے	ڈاکٹر خالدہ ناز	تنقید	۲۴۰	ایضا	۳۰۰/	معرفت محمد صدیق نیو کالونی اسلام نگر، بھاگلپور، بہار
۱۴	اردو شاعرات بہار اور ان کی شعری خدمات	ڈاکٹر محمد شہاب الدین	تحقیق	۱۴۴	ایضاً	۳۰۰	لکشمی پور وایا چاہ کند تھانہ بیلاگنج ضلع گیا، بہار
۱۵	آپ تو ایسے نہ تھے	ڈاکٹر یاسمین اختر	ناولٹ	۵۶	ایضاً	۱۰۰	معرفت محمد فخر عالم ٹینک لین ۳ بھیکن پور، بھاگلپور، بہار
۱۶	اردو شاعری میں سماجی سیاسی شعور کا ارتقاء	ڈاکٹر مصلح الدین	تحقیق	۲۰۰	ایضاً	۳۰۰	نعمت اللہ ایجوکیشنل سوسائٹی، شاہین منزل نوگھروا سلطان گنج، پٹنہ
۱۷	فانوسِ خیال	ڈاکٹر سید مظفر عالم ضیاؔ	شعری مجموعہ	۱۹۲	۲۰۱۴	۲۵۰	سید سرفراز عالم دار النشاط دریاپور، پٹنہ۔۴
۱۸	اردو کی شخصی مرثیہ نگاری میں چکبست اور محروم کا حصہ	ڈاکٹر مسعود عالم	تحقیق	۲۰۸	ایضاً	۲۵۰	ڈاکٹر مسعود عالم، عالم ویلا نجمی لین، کنگھیاٹولہ، پٹنہ سیٹی
۱۹	دیدۂ عبرت نگاہ	منیر سیفی	سفرنامہ	۱۷۶	ایضاً	۲۵۰	منیر سیفی مالک لین، سمن پورہ، وی بی سی، پٹنہ۔ بہار
۲۰	ملت اسلامیہ کے مسائل وقضایا علامہ شبلی اور ان کے معاصر شعراء کے کلام	ڈاکٹر سید شاہ تقی الدین احمد فردوسی ندوی منیری	تحقیق	۷۲	ایضاً	۵۰	صائمہ پبلی کیشن پٹنہ
۲۱	آبشار	قسیم سہسرامی	شعری مجموعہ	۱۲۸	ایضاً	۲۰۰	قسیم سہسرامی، ضیاء الدین درگاہ، پوسٹ پیرو ضلع بھوجپور
۲۲	گردِ سفر	ڈاکٹر سید مظفر عالم ضیاؔ	شعری مجموعہ	۱۰۴	۲۰۱۲	۲۰۰	سید سرفراز عالم دار النشاط دریاپور، پٹنہ۔۴
۲۳	رقصِ سیماب	ڈاکٹر سید مظفر عالم ضیاؔ	شعری مجموعہ	۱۲۸	۲۰۱۱	۲۵۰	سید سرفراز عالم دار النشاط دریاپور، پٹنہ۔۴
۲۴	علامہ شبنم کمالی حیات وخدمات	ڈاکٹر محمد قمر الدین نانپوری	مضامین	۹۶	۲۰۱۰	۲۵	صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ
۲۵	سہیل عظیم آبادی بحیثیت صحافی	ڈاکٹر محمد جاوید احمد	تحقیق	۱۲۸	۲۰۰۹	۲۰۰	صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ
۲۶	دھند میں کھوئی روشنی	ڈاکٹر افسانہ خاتون	ناول	۱۴۶	ایضاً	۲۰۰	صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ
۲۷	بہار اور جھارکھنڈ میں اردو غزل 1960 کے بعد	ڈاکٹر نگار سلطانہ	تحقیق	۱۷۶	ایضاً	۲۵۰	صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ
۲۸	برجستہ اول	ڈاکٹر مسعود الرحمٰن	مضامین	۱۲۰	۲۰۰۷	۱۵۰	صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ
۲۹	اردو ناول پر تقسیم ہند کے المیے کے اثرات	ڈاکٹر محمد نسیم	تحقیق	۲۵۶	۲۰۰۲	۲۵۰	صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ
۳۰	سلسلے درد کے	ڈاکٹر نکہت پروین	افسانوی مجموعہ	۹۲	۱۹۹۷	۳۵	صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ
۳۱	بیتے لمحے، بیتی یادیں	حمیدہ بانو		۲۸۶	۲۰۰۰	۱۵۰	صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ
۳۲	دبئی کا سفر	ڈاکٹر احسان اشرف		۸۸	۲۰۱۸	۲۰۰	صائمہ پبلی کیشن، پٹنہ
۳۳	بہار کی قدیمی مسجدیں (زیر طبع)	ڈاکٹر شاہنواز حق					

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھو العزیز المجیب ولی النعم

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی وادبی مجلہ

ماہ : صفر المظفر — ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ

ماہ : اکتوبر — دسمبر ۲۰۱۸ء

جلد نمبر ۵۸ ✦ شمارہ نمبر ۴

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

مجلس ادارت

مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

مولانا خواجہ عبد الباری

زر تعاون

فی شمارہ	:	40/- روپے
سالانہ	:	150/- روپے
سادہ ڈاک	:	200/- روپے
رجسٹری ڈاک	:	400/- روپے
پاکستان و بنگلہ دیش	:	500/- روپے
دیگر ممالک	:	25$/- امریکی ڈالر

سرکولیشن منیجر : محمد مقصود عالم مجیبی

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

رابطہ : +91-9006306098

ایڈیٹر
المجیب، دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

فون نمبر : E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, (0612) 2555572, Telefax : 2555305

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

فہرست مضامین

- **لمعات** — ظفر حسنین — ۳

مضامین و مقالات

- خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم — مولانا شاہ ہلال احمد قادری — ۶
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت — ڈاکٹر نور الہدیٰ شمسی رجہتی — ۱۷
- نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ (شہید کربلا) — مولانا نور الحق رحمانی — ۲۲
- قبل از نبوت حقوق انسانی کی حفاظت اور اس کا..... — ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی — ۴۴
- منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی (چند دن.....) — وارث ریاضی — ۵۰
- امیر خسرو کی فارسی خدمات — مسرت جہاں — ۵۸
- یزید اور یزیدیت اک مطالعہ — پروفیسر فاروق احمد صدیقی — ۶۴
- التجائے مسافر — سید محمد نیر رضوی — ۷۰

نقد و تبصرہ

- ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی — ایک مطالعہ — ظفر حسنین — ۷۹

ادبیات

- نعت — جمال احمد جمال — ۸۲
- نعت — وارث ریاضی — ۸۳
- تضمین بر نعت حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ — ڈاکٹر التفات احمد امجدی — ۸۴
- منقبت — امیمہ قادری — ۸۵
- **کوائف و حالات** — ادارہ — ۸۶

لمعات

• ظفر حسنین

ربیع الاول کی بارہ تاریخ محسن انسانیت فخر دوعالم سرور کائنات حضور پُر نور حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش ہے۔ یہ دن صرف اہل ایمان کے لیے نہیں — بلکہ ساری دنیا کے انسانوں کے لیے بڑا ہی مقدس اور اہمیت کا حامل ہے — حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دنیا میں انسانی نسلیں بڑھتی رہیں، ہر طرح کے لوگ دنیا میں پیدا ہوئے — عام انسان بھی، نبی و پیغمبر بھی، ولی ورشی بھی — اچھے اور برے بھی، بروں کو اچھا بنانے کے لیے مصلح اور صالح بھی، اچھوں کو اور اچھا بنانے کے لیے نبی و پیغمبر اور ولی اللہ بھی — اس طرح ہر زمانہ اور ہر خطہ میں جہاں انسانوں کی آمد ہوئی وہیں ان کی ہدایت کے لیے نبی و پیغمبر کا بھی نزول ہوا — جو اپنی اپنی قوم کو راہ ہدایت یا راہِ نجات دکھاتے رہے۔ اور یہ بھی بتاتے رہے کہ تمہارے لیے ایک آخری نبی کا بھی نزول ہوگا، وہ رحمۃ للعالمین ہوگا، اور ساری انسانیت کو نجات کا راستہ بتائے گا — اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، صرف اس کی لائی ہوئی اللہ کی کتاب اور اسوۂ حسنہ ہمیشہ کے لیے رہبری کے کام آئیں گی۔

آج پندرہ سو سال گذر گئے — ایمان والے جب جب خدا کی کتاب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے دور ہوئے وہ راہ بھٹک گئے، گمراہی کا شکار ہو کر عذاب الٰہی میں مبتلا ہوئے — اور وہی ایمان والے جب جب خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہے، سرخرو ہوئے، دنیا کی کوئی طاقت انہیں نہیں جھکا سکی — آپ اندازہ لگائیے: آج دنیا کے ۵۵/ اسلامی ممالک اور سو سے زیادہ غیر اسلامی ممالک میں بسے ہوئے سوا سو کروڑ سے زیادہ مسلمان کن حالات میں گھرے ہوئے ہیں؟ ان اسلامی ممالک میں کمزور ملک بھی ہے اور طاقتور ترین، ایٹمی ممالک بھی — لیکن ایمان کی کمزوری اور سنت رسول ﷺ کی دوری کی بنا پر وہ ہر جگہ ذلیل وخوار ہیں، دشمنوں نے انہیں خود ان کے گھروں میں گھیر رکھا ہے، زمین، آسمان اور سمندر سب ان پر تنگ کر دیئے گئے ہیں اور سبھوں پر دشمنوں کی حکمرانی ہے۔ یہ سلطان، یہ شہنشاہ، یہ بادشاہ، یہ ان کے ولی عہد، یہ صدر اور وزیر اعظم سب کے سب زر پرستی اور عیش وعشرت میں اس طرح مگن ہیں کہ انہیں آنے والے خطرہ کی بو بھی نہیں لگتی — آپ نے سنا ہوگا

کہ دنیا کے امیر ترین ملک کے شہنشاہ، والی حجاز، خادم حرمین شریفین کو امریکہ نے کیسے ڈانٹ پلائی۔ کھلے عام امریکہ کے اس مغرور صدر نے کہا کہ تم ہمارے رحم و کرم پر ہو، اگر ہم اپنا دست شفقت ہٹالیں تو تم ایک منٹ بھی حکومت میں نہیں رہ سکتے ــــ سعودی شہنشاہ اور ان کے پٹھو ولی عہد کے پاس اس کا کوئی جواب تھا؟ وہ پتھر کے بُت بنے امریکہ کی دھمکی سنتے رہے۔ کیونکہ امریکہ کی باتیں حقیقت پر مبنی تھیں ــــ سعودی اور اس کی ہمنوا حکومتوں کے گلے میں امریکہ کی غلامی کے پٹے ہیں اور آنکھوں پر مجبوری کی پٹیاں ــــ کاش وہ امریکہ کی بجائے خدا سے ڈرتے اور اپنے عوام کو خوش رکھتے تو ان کا یہ حال نہیں ہوتا۔

آپ نے یہ قصہ سنا ہوگا کہ خلیفہ معتصم باللہ کے آخری دور میں ہلاکو نے بغداد پر حملہ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ آخر میں خلیفہ کو پابہ زنجیر ہلاکو کے سامنے پیش کیا گیا، ہلاکو اس وقت کھانا کھا رہا تھا۔ اُس نے اشارہ کیا اور خلیفہ کے سامنے ہیرے جواہرات سے بھری ہوئی سونے کی پلیٹ حاضر کی گئی۔ ہلاکو نے خلیفہ سے کہا: لو کھاؤ۔ خلیفہ بے بس اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا: یہ ہیرے جواہرات کیسے کھاؤں؟ ہلاکو نے پوچھا: یہ سونے چاندی کے بنے محل اور اس میں بھرے ہوئے ہیرے جواہرات تم نے کیوں اور کس کے لیے جمع کئے تھے، جو تمہیں ایک وقت کا کھانا بھی مہیا نہیں کر سکتے۔ اگر تم نے یہ دولت اپنے عوام پر خرچ کی ہوتی، خود کو مضبوط کرنے کے لیے فوج پر خرچ کی ہوتی تو تمہارا حال یہ نہیں ہوتا۔ یہ کہہ کر ہلاکو نے خلیفہ کو گھوڑے سے روندوا دیا ــــ ممکن ہے کہ مسلمانوں نے اس سے عبرت پکڑی ہو، کیونکہ وہی مسلمان قوم جب اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کی طرف دوبارہ مائل ہوئی تو اس نے نہ صرف ہلاکو کی پوری وحشی قوم کو دائرہ اسلام میں داخل کیا بلکہ دنیا کے بیشتر حصہ پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔

ایسا ہی ایک واقعہ اور بھی سن لیجئے ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل کے درمیان جنگ کی زبردست تیاریاں چل رہی تھیں ــــ اسرائیلی وزیراعظم مسز گولڈا میر سے ایک اعلیٰ سطحی امریکی وفد ہتھیاروں کی سپلائی پر گفتگو کرنے آیا ہوا تھا۔ وفد کے صدر اسرائیلی وزیراعظم کے پاس بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں اور ہتھیاروں کی سپلائی پر اپنے شرائط پیش کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شرائط بہت سخت تھیں جن کا پورا کرنا اسرائیل جیسے چھوٹے سے ملک کے لیے بہت مشکل تھا۔ گولڈا میر نے ساری شرائط سنیں، خاموشی سے اٹھ کر باورچی خانہ میں گئیں اور تین کپ چائے بنائی۔ ایک کپ گیٹ پر کھڑے امریکی محافظ کو دی اور ایک کپ وفد کے صدر کو اور ایک کپ خود لے کر محوِ گفتگو ہوگئیں۔ جب چائے ختم ہوگئی تو خود اٹھ کر سارے جوٹھے کپ کو دھو کر رکھ دیا ــــ پھر صدر وفد سے کہا ڈن ــــ اور اس طرح وہ معاہدہ ہوگیا جس کی رو سے اسرائیل کو بے انتہا فوجی ساز و سامان ملنے والے تھے۔ اسرائیلی پارلیمنٹ نے اتنے سخت شرائط پر بے اطمینانی کا اظہار کیا لیکن گولڈا میر نے اپنی پرجوش تقریر اور دلائل و براہین سے ارکان پارلیمنٹ کو راضی کرلیا۔ انہوں نے پارلیمنٹ کو بتایا کہ ہم بھوکے مرنا پسند کریں گے لیکن جنگ میں شکست اور غلامی کبھی برداشت نہیں کریں گے۔

بعد میں ایک انٹرویو کے دوران گولڈا میر نے اس کا انکشاف کیا کہ کیسے انہوں نے یہ جنگ جیتی۔ انہوں نے بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی مہارت اور قائدانہ صلاحیت کا انہوں نے بہ غور مطالعہ کیا کہ کیسے مٹھی بھر لوگ بڑی بڑی جنگوں میں کامیابی حاصل کر لیتے تھے۔ ہم نے پڑھا کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے وقت ان کے حجرہ میں کفن کے لیے پیسے نہ تھے لیکن دیواروں پر چار تلوار لٹک رہی تھیں۔

اسلام کا یہی نظام حیات، یہی تعلیم اور یہی خوبیاں تھیں جسے اپنا کر اسرائیل نے عرب کو اپنے قدموں پر جھکا لیا—اور خود اسلام کے داعی اس سے منھ موڑ کر ذلت و رسوائی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ ہم اگر اپنے اسلاف کے کارناموں سے، جس سے تاریخ بھری ہے، کوئی عبرت حاصل نہیں کر سکتے تو کم سے کم دوسری ترقی یافتہ قوموں سے اچھی باتیں سیکھ لیں۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

شرح اشتہار

سہ ماہی مجلہ المجیب

میں اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں

ملٹی کلر اشتہار

پشت سرورق	مکمل صفحہ	8,000/-	نصف صفحہ	4,000/-	چوتھائی صفحہ	2,000/-
اندرون سرورق	مکمل صفحہ	7,000/-	نصف صفحہ	3,500/-	چوتھائی صفحہ	1,750/-

سادہ اشتہار

اندرون مجلہ	مکمل صفحہ	5,000/-	نصف صفحہ	2,500/-	چوتھائی صفحہ	1,250/-

خواہش مند حضرات اپنے اشتہارات کے ساتھ پیشگی رقم کا چیک یا ڈرافٹ ادارہ کو پہلی فرصت میں مرحمت فرمائیں تاکہ ان کے آرڈر کو حتمی شکل دی جاسکے۔ چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ رقم ارسال کرتے وقت صرف "DARUL ESHA'AT" تحریر کریں۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

● مولانا شاہ ہلال احمد قادری

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا مسئلہ امت کا متفق علیہ مسئلہ ہے اس مسئلے پر کبھی کوئی دو رائے نہیں رہی۔ امت کے گمراہ فرقوں میں بھی کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جس نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت کا انکار کیا ہو یا اس میں شک کیا ہو۔ تمام فرقہ ہائے باطلہ میں رسالت و خاتمیت محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا عقیدہ اپنی صحیح صورت میں موجود رہا۔ اسی لئے فرقۂ ضالّہ کو اسلام سے خارج نہیں کیا جاسکتا اور اس کو کافر مطلق کا فتوی نہیں دیا جاسکتا۔ اسی بنیاد پر امام غزالی نے "التفرقة بین الاسلام والزندقة" میں فرمایا ہے کہ جب تک کوئی شخص کلمۂ لا الہ الا اللہ کی تکذیب نہ کرے اس کو کافر نہ کہو۔

لیکن قادیانی اسلام سے خارج اور مطلقاً کافر ہیں کیونکہ ان کے عقیدۂ باطلہ سے توحید و رسالت دونوں کی نفی ہوتی ہے۔ توحید و رسالت کا منکر کسی تاویل سے مومن نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالی کی وحدانیت اور غیر اللہ سے الوہیت کی نفی، دین حق کی بنیاد ہے، یہ عقیدہ، کلمۂ طیبہ کے جزو اول "لا الہ الّا اللہ" میں موجود ہے۔ اور اس عقیدے کی دلیل کلمۂ طیبہ کے دوسرے جزو "محمد رسول اللہ" میں موجود ہے۔ دلیل کی صحت ہی دعوے کو ثابت کرتی ہے، دلیل صحیح نہیں ہوگی تو دعوی باطل ہوگا۔ جس کسی نے توحید کا دعوی کیا اور دلیل میں شکوک و شبہات پیدا کئے تو اس کی توحید لائق اعتبار نہیں ہوگی اور اس کا ایمان قابل قبول نہیں ہوگا۔ آج بھی دنیا میں کہیں کسی جگہ، کسی مذہب کا ماننے والا ہو عقیدۂ توحید کو تسلیم کرتا ہو لیکن رسالت و نبوت حضور خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کا منکر ہو تو عند اللہ اس کی توحید کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

کلمۂ طیبہ کے جزو اول "لا الہ الّا اللہ" کو تسلیم کر لینے کے بعد اس کے دوسرے جزو لازم "محمد رسول اللہ" پر اس کے تمام مالہ و ماعلیہ کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے، یعنی نبی مکرم اروا حنا فداہ، کی نبوت و رسالت، نبوت عامہ ہے، زمان بعثت سے الی یوم الآخرۃ، جاری و باقی رہنے والی ہے۔ آپ کی بعثت کے بعد قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ آپ پر

نبیوں کے آنے کا سلسلہ تمام ہوگیا،ختم نبوت اور ذات محمدی ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں ۔آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم،اللہ تعالی کی آخری نازل کردہ کتاب ہے ۔آپ کی ذات گرامی پر وحی الہی مکمل ہوگئی ۔آپ کے بعد براہ راست اور بذریعہ جبرئیل وحی کی آمد کا سلسلہ منقطع ہوگیا ۔قرآن کریم کے بعد آپ کی احادیث صحیحہ امت مسلمہ کے لئے حُجت ہیں ، آیات محکمات کی تشریح کرتی ہیں،مجملات کی تفصیل کرتی ہیں،کتاب اللہ میں مذکور قانون وشریعت کو واضح کرتی ہیں،کبھی احکام کتاب اللہ میں اضافہ کرتی ہیں (مثلا نماز وتر اور مسح خف) اور کبھی کسی حکم کو منسوخ کرتی ہیں،آپ کی شریعت،پچھلی تمام شریعتوں کے لئے ناسخ کی حیثیت رکھتی ہے ۔آنحضرت ﷺ ،تمام نبیوں سے بالکلیہ اور علی الاطلاق افضل اور فایق ہیں ذاتی اعتبار سے بھی اور منصب نبوت کبری کے لحاظ سے بھی ۔

عقیدۂ توحید کا مدعی ،ان باتوں میں سے کسی بات کا انکار کرے گا تو اس کا دعوائے توحید باطل ہوجائے گا ۔عقلاً بھی اور نقلاً بھی ۔نقلاً اس لئے کہ یہ سب باتیں عقیدۂ نبوت محمدی کے اجزائے ضروری ہیں اور ختم نبوت کا عقیدہ تو دین حق کی بنیاد اور ایمانیات کا رکن اعظم ہے ۔عقلاً دعوائے توحید اس معنی میں باطل ہوگا کہ بغیر دلیل کے کوئی دعوی قبول نہیں کیا جاتا اور دنیا کی کوئی عدالت،مال واسباب کی ملکیت کا دعوی کرنے والے کو دلیل وثبوت کے بغیر مالکانہ حقوق نہیں دے سکتی،اور ایمانیات کے مسئلے میں ایمان ثابت نہ ہو تو ایسے آدمی کو ہماری شریعت مومن ہونے کی سند کیسے دے سکتی ہے؟

قادیانیوں کا دعوائے توحید قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس توحید کی دلیل اور اس کے ثبوت " محمد رسول اللہ " پر ان کا ایمان نہیں رہا تو ان کا محض زبان سے " محمد رسول اللہ "کہنا اثبات دعوی کے لئے کافی نہیں ہے ۔جب وہ نبی آخرالزماں ﷺ کے آخری نبی ہونے کے قائل نہیں اور آپ کی خاتمیت کا انکار کرتے ہیں اور مرزا غلام احمد کو"نبی"،تسلیم کرتے ہیں تو توحید کی دلیل" محمد رسول اللہ" ان کے حق میں باطل ہوگئی ،دلیل باطل ہوئی تو دعوائے توحید باطل ہوا ۔توحید و رسالت کے منکر کو اب کس بنیاد پر اور کس دلیل سے مومن کہیں گے؟اس لئے قادیانی مطلقا کافر ہیں،دین اسلام سے خارج ہیں اگر چہ وہ نماز وروزہ کرتے ہوں،قرآن کی تلاوت کرتے ہوں اور دیگر شعار اسلامی کو اختیار کئے ہوئے ہوں تو بھی مومن نہیں ہیں اور ان کے اعمال خیر کی پوری عمارت عندالله هباءًا منثورًا ہے ۔مسلمانوں کو ان سے ہوشیار رہنا چاہئے،یہ دین وایمان کے بہت خطرناک لٹیرے ہیں،انہوں نے اسلام کی راہ میں" دام ہم رنگ زمیں" بچھا رکھا ہے ۔

قادیانیوں نے،سورۂ احزاب کی آیۃ کریمہ :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

ترجمہ : محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں ۔اور اللہ ہر چیز کو زیادہ جاننے والا ہے ۔

میں لفظ خاتم کی احادیث کو نظر انداز کر کے غلط اور مہمل تاویلیں کی ہیں، خاتم کے معنی کی وضاحت خود قرآن سے ہی ہو جاتی ہے، احادیث مبارکہ متواترہ سے یہ عقیدہ مزید متحقق ہو جاتا ہے۔ آئیے دیکھیں قرآن کریم کے اس لفظ کے کیا معنی ہیں؟

اللہ تعالی نے قرآن میں ''خاتم المرسلین'' نہیں فرمایا بلکہ ''خاتم النبیین'' فرمایا، اس کی حکمت یہ ہے کہ خاتم المرسلین کہنے میں یہ گنجایش باقی رہتی کہ آپ ﷺ کی بعثت شریفہ کے بعد کوئی نبی آسکتا ہے، صاحب شریعت اور صاحب کتاب نبی نہیں آسکتا۔ اہل علم یہ نکتہ جانتے ہیں کہ رسول اس کو کہتے ہیں جو نئی شریعت لے کر آئے اور اس پر کتاب یا صحیفہ بھی نازل ہو۔ خاتم النبیین کا لفظ بیان فرما کر اللہ سبحانہ وتعالی نے آخری نبی ﷺ کے بعد سلسلۂ نبوت کے بالکلیہ منقطع ہو جانے کا اعلان فرمایا ہے، لفظ خاتم النبیین کا یہاں پر لانا ہی ختم نبوت کی واضح دلیل ہے۔

لفظ خاتم کی مروجہ قرأت جو قرآن کریم میں لکھی بھی جارہی ہے اور دنیا بھر میں اس کی قرأت بھی ہو رہی ہے وہ خاتَم (تاء کے زبر کے ساتھ) ہے۔ یہ حسن بصری اور عاصم کوفی کی قرأت ہے، چونکہ عاصم کوفی کی قرأت پورے قرآن میں مشہور اور رائج ہے اس لئے اس آیت میں بھی ان ہی کی قرأت پر عمل ہے لیکن دیگر تمام علمائے فن قرأت وتجوید جو قُرّائے سبعہ و قُرائے شاذہ کہلاتے ہیں، ان کی قرأت خاتِم ہے (تاء کے زیر کے ساتھ)۔ مجھے نہیں معلوم کہ اکثر قاریوں کی قرأت پر حسن اور عاصم کی قرأت کو کیوں ترجیح حاصل ہوئی۔ امام طبری اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

واختلفت القراء فی قرائة قوله " وخاتم النبیین "فقرأ ذلك قراء الامصار سوی الحسن وعاصم بکسر التاء من خاتم النبیین ۔ بمعنی انه ختم النبیین ۔ ذکر ان ذلك فی قرائة عبدالله "ولکن نبیا ختم النبیین" ۔فذلك دلیل علی صحة قرائةمن قرأه بکسر التاء بمعنی انه الذی ختم الانبیاء ۔ صلی الله علیه وسلم و علیهم ۔وقرأ ذلك فیما بذکر الحسن وعاصم "وخاتَم النبیین" بفتح التاء بمعنی انه آخِر النبیین ۔ کما قرأ "مختوم خاتَمه مسك"۔ بمعنی آخِره مسك ۔ من قرأ ذلك کذلك۔

یعنی خاتم النبیین کی قرأت میں قاریوں کا اختلاف ہے تمام شہروں (بلاد عرب) کے قاری، حسن اور عاصم کے علاوہ، خاتِم النبیین کو تاء کے زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں، معنی یہ ہوں گے کہ آپ نے نبیوں کی آمد کے سلسلے کو ختم کر دیا۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت یہ ہے ''ولکن نبیا ختم النبیین'' تو یہ تاء کے زیر کے ساتھ قرأت کرنے والوں کی قرأت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، اس قرأت میں معنی یہ ہوں گے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں۔ اور وہ قرأت جو حسن اور عاصم کی طرف منسوب ہے خاتَمَ النبیین، تاء کے زبر کے ساتھ وہ آخِرَ النبیین کے معنی میں ہے (یعنی آخری)۔

جیسا کہ آیۃ کریمہ: ''رَحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ'' (یعنی جنت کی شراب ایسی ہوگی کہ اس کو پی لینے کے بعد

آخر میں منہ میں مشک کی خوشبو رہ جائے گی) میں خاتمہ مسک کی قرائت بھی ہے یعنی آخرہ مسک۔ جن لوگوں نے خاتَم پڑھا ہے اس کا یہی مفہوم ہے۔

امام طبرانی کی تفسیر یہ ہے :

وقرأ الحسن وعاصم " وخاتَمَ النبيين بفتح التاء اى آخِرَ النبيين ۔ وقرأ الباقون بكسر التاء على الفاعل اى انه ختم النبيين بالنبوة ۔

امام بغوی محی السنۃ نے بھی یہی لکھا ہے :

ولكن رسول الله وخاتم النبيين ۔ ختم الله به النبوة ۔ وقرأ عاصم بفتح التاء على الاسم اى آخرهم و قرأ الآخرون بكسر التاء على الفاعل لانه ختم به النبيين فهو خاتمهم ۔

صاحب البحر المحیط لکھتے ہیں :

وقرأ الجمهور بكسر التاء ۔ بمعنى انه ختمهم اى جاء آخرهم...وعاصم بفتح التاء بمعنى انهم به ختموا ۔ فهو كالخاتَم والطابَع لهم ۔

مفسرین کے اقوال سے معلوم ہوا کہ جمہور کی قرأت خاتم ہے۔ خاتَم اور خاتم کے معنی میں محض اتنا فرق ہے کہ خاتَم، اسم ہے جیسے آخر۔ اور خاتم، اس فاعل ہے جیسے آخر۔ دونوں صورت میں معنی اور مفہوم یہ ہوئے :

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

اور لیکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں میں آخری ہیں۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتِمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

اور لیکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے ہیں۔

بنیادی طور پر خاتَم اور خاتم کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں طرح کی قرأۃ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت حقیقی واضح ہے۔

خاتَم کا ایک معنی اسم آلہ بھی ہے جس کے ذریعہ کسی چیز پر مہر لگائی جاتی ہے، وہ اس صورت میں جب خاتم کو تاء کے زبر کے ساتھ پڑھیں تو معنی یہ ہوں گے کہ سلسلہ نبوت کو مکمل کر کے اللہ تعالی نے آپ کے ذریعہ انقطاع نبوت کے فیصلے پر مہر لگا دی ہے، اب کسی نبی کی بعثت نہیں ہوگی، یہ مفہوم بھی خاتمیت محمدی کے لئے واضح ہے۔ خاتم سے مہر مراد لینے کی صورت میں مفہوم واضح ہے کہ سلسلہ نبوت کی تکمیل ہو چکی اور اوراس پر مہر لگا دی گئی، جس طرح شاہان عرب وعجم کے نام مکتوبات گرامی کی عبارت لکھوا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مکتوبات کی عبارت کے نیچے اپنی مہر ثبت فرمائی تھی جو اس بات

کی دلیل تھی کہ مکتوب کی عبارت مکمل ہوگئی۔ یا جس طرح کسی لفاف میں بے حد ضروری کاغذات رکھ کر لفاف کے منہ کو بند کر کے اس پر خاص قسم کے مصالحہ سے مہر لگائی جاتی تھی تا کہ کوئی اس کے اندر کچھ نہ ڈالے اور نہ اندر کی چیز باہر نکالے، یہ ضروری کاغذات کے تحفظ کا طریقہ تھا اور اب بھی یہ طریقہ جاری ہے۔ بالکل اسی طرح لفظ خاتم یہاں اختیار کیا گیا ہے کہ نبی اور وحی کی آمد کی راہ نہایت مستحکم طریقے سے بند کر دی گئی ہے کیونکہ نبوت اور وحی کی تکمیل ہو چکی اور مہر ہمیشہ تکمیل کے بعد ہی لگائی جاتی ہے۔ بعض کفار ومشرکین کے لئے قرآن میں "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" سے اللہ تعالی نے ختم کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے کہ اب ان کے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کے دلوں تک ایمان کے پہنچنے کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ خاتم کے کوئی معنی لے لیجئے سب کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا تشریعی ہو یا غیر تشریعی، یعنی آپ کی شریعت مطہرہ کی پیروی کرنے والا نبی ہو یا نئی شریعت لے کر آنے والا، کوئی نہیں آسکتا، اس کا امکان ہی ختم کر دیا گیا۔

سورۂ احزاب کی آیۂ مبارکہ میں ختم سے کار نبوت کی تکمیل مراد ہے، جس مقصد کے لئے انبیائے کرام مبعوث کئے جارہے تھے وہ مقصد رسول عربی ﷺ کی بعثت سے پورا ہوگیا۔ دین عقیدے کے اعتبار سے مکمل تھا لیکن دین کے عملی اور اخلاقی حصے کی تکمیل کسی نبی کے دور میں اس لئے نہیں ہوئی کہ ہر نبی کی نبوت کا دائرہ محدود تھا، دین حق کا نظام اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا تھا جب تک کہ ایسی شریعت اور ایسا قانون دنیا میں نہ آجاتا جو پوری انسانیت کے حق میں ہمیشہ کے لئے مفید ہوتا اور اس کے لئے ایسے نبی کی ضرورت تھی جس کے دائرۂ نبوت سے دنیا کا کوئی گوشہ الگ نہ ہو۔ اس لئے نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت جمیع انسانیت کے لئے ہوئی اور اللہ تعالی نے خود آپ کی زبان مبارک سے اس بات کا اعلان کرایا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۔۔۔ (الاعراف: ۱۵۸) یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں وہ جس کی آسمانوں اور زمینوں میں بادشاہت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت۔

آیۂ مذکورہ سے جو خاتمیت محمدی ثابت ہو رہی ہے اس کی تائید حسب ذیل وجوہ سے بھی ہوتی ہے۔

دنیا میں کسی نبی کی آمد کا مطلب ہے نبی کا مبعوث ہونا۔ حضرت موسی علیہ السلام، بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے، ان کی بعثت کا دائرہ محدود تھا، حضرت عیسی علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں ہی مبعوث ہوئے لیکن یہود نے ان کی نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور ان کے قتل کے درپئے ہوئے، ان کی نبوت کا دائرہ بھی محدود تھا، اسی طرح بنی اسرائیل میں بکثرت انبیا بھیجے گئے، سب کی نبوت کا دائرہ اپنی اپنی قوموں تک محدود رہا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ جاری تھا کیونکہ ان کی وفات نہیں ہوئی ہے، اس پر آیندہ سطور میں ہم گفتگو کریں گے، حضرت عیسی علیہ السلام کے دور نبوت میں نبی آخر الزماں

خلاصۂ کائنات باعث ایجادات سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ۔ازل میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح طیبات سے اللہ تعالی نے وعدہ لے رکھا تھا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۝۸۱

ترجمہ : اوراس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم لوگوں کو کتاب اور حکمت دے کر مبعوث کروں پھر (تمہارے رہتے ہوئے) کوئی رسول آجائے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرتا ہو تو تم اس پر ایمان لانا اور اور اس کی مدد کرنا۔(اللہ تعالی نے پھر) فرمایا: کیا تم نے اقرار کرلیا اور اس عہد کی ذمہ داری اٹھالی تو سب نے کہا: ہم نے اس کا اقرار کیا تو فرمایا: اس پر گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

یہ آیت کریمہ اس کم علم کی نظر میں خاتمیت محمدی کی اہم دلیل ہے۔اگر چہ مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اس کی وضاحت نہیں کی ہے۔مفسرین کے مطابق میثاق سے یہاں پر حلف لینا مراد ہے اور " لتؤمنن به ولتنصرنه "میں لام وجوب کے لئے ہے یعنی اس رسول پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا واجب ہے۔مفسرین کے نزدیک ظاہر آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی نبی کے دور نبوت میں کوئی دوسرا نبی آجائے تو اس نبی کو نئے نبی کی تصدیق کرنی ہوگی اور اشاعت دین میں اس کی مدد کرنی ہوگی۔ یہاں ایمان سے مراد تصدیق وتائید ہے۔یعنی ہر نبی کو دوسرے نبی کی تصدیق وتائید کرنی ہوگی،انبیائے کرام کی جماعت کو ایک دوسرے کی تائید واعانت کا مکلف بنایا گیا ہے۔مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کا ظاہری معنی ہے۔جیسا کہ امام طاؤس،امام حسن بصری اور امام المفسرین قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ میثاق انبیا سے ایک دوسرے کی تصدیق مراد ہے۔

دوسری طرف اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی مرتضی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رسول اکرم ﷺ کی نبوت کے معاملے میں اللہ تعالی نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی اعانت کرنے کا عہد واثق لیا ہے۔آیت میں رسول سے مراد ذات رسالت ہے۔مفسرین میں حافظ ابن کثیر نے آل عمران کی آیت ۸۱ میں اس مسئلے کی اچھی وضاحت فرمائی ہے،وہ لکھتے ہیں :

قال علی بن ابی طالب و ابن عمه عبدالله بن عباس رضی الله عنهما : ما بعث الله نبیا من الانبیا الا اخذعلیه المیثاق لئن بعث محمدا ﷺ وهو حی لیومنن به ولینصرنه وامره ان یاخذ المیثاق علی امته : لئن بعث محمدا ﷺ وهم احیاء لیومنن به ولینصرنه ۔

وقال طاؤس والحسن البصری وقتادة : اخذ الله میثاق النبیین ان یصدق بعضهم

بعضا ۔وھذا لا یضاد ما قال علی وابن عباس ولا ینفیہ بل یستلزمہ و یقتضیہ ولھذا رواہ عبدالرزاق عن معمر عن ابن طاؤس عن ابیہ مثل قول علی و ابن عباس ۔

ترجمہ : حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے کسی نبی کو اس عہد کے بغیر مبعوث نہیں فرمایا کہ اگر محمد ﷺ مبعوث ہو جائیں اور وہ نبی حیات ہو تو اس کے لئے لازم ہے محمد ﷺ پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔اور ہر نبی کو حکم دیا کہ وہ اپنی امت سے عہد لیں کہ اگر محمد ﷺ مبعوث ہو جائیں اور اس نبی کے امتی حیات ہوں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں ۔

اور طاؤس، حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالی نے تمام نبیوں سے اس بات کا عہد لیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں گے ۔طاؤس اور حسن وغیرہ کا یہ قول حضرت علی اور ابن عباس کے قول کے منافی نہیں ہے بلکہ ان کے قول کو مستلزم اور اس کا مقتضی ہے، اسی بنا پر عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے ابن طاؤس سے اور انہوں نے اپنے والد سے حضرت علی اور ابن عباس جیسے قول کی روایت کی ہے ۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت کئی مفسرین نے نقل کی ہے اور اس بنیاد پر آیت مذکورہ میں ''رسول'' سے آنحضور ﷺ کی ذات گرامی مراد لی ہے ۔حافظ ابن کثیر نے اس خیال کی تصدیق وتائید میں دو حدیثیں نقل کی ہیں :

وقد قال الامام احمد : حدثنا عبدالرزاق انبانا سفیان عن جابر عن الشعبی عن عبداللہ بن ثابت قال جاء عمر الی النبی ﷺ فقال : یا رسول اللہ ؛ انی مررت باخ لی من قریظۃ فکتب لی جوامع من التوراۃ الا اعرض علیک ؟قال : فتغیر وجہ رسول اللہ ﷺ ۔ قال ثابت : فقلت لہ ألا تری ما بوجہ رسول اللہ ﷺ ؟ فقال عمر : رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولا ۔ قال فسری عن رسول اللہ ﷺ وقال : والذی نفس محمد بیدہ لو اصبح فیکم موسی علیہ السلام ثم اتبعتموہ و ترکتمونی لضللتم انکم حظی من الامم وانا حظکم من النبیین ۔

حدیث آخر ۔ قال الحافظ ابو بکر حدثنا اسحق حدثنا حماد عن مجالد عن الشعبی عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ :لا تسألوا اھل الکتاب من شیئ فانھم لن یھدو کم وقد ضلوا وانکم اما ان تصدقوا بباطل واما ان تکذبوا بحق وانہ واللہ لو کان موسی حیا بین اظھرکم ما حل لہ الا ان یتبعنی۔ (تفسیر آل عمران :۸۱)

ترجمہ : امام احمد کہتے ہیں: ہم سے عبدالرزاق نے حدیث بیان کی ان سے سفیان نے اور وہ جابر سے اور وہ شعبی

سے اور وہ عبداللہ بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہا: یارسول اللہ! میں اپنے ایک بھائی کے پاس گیا تھا جس کا تعلق بنی قریظہ سے ہے اس نے مجھے توریت کے کچھ جامع کلمے لکھ کر دئے۔ کیا میں آپ کے سامنے پیش کروں؟ ثابت کہتے ہیں کہ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ ثابت کہتے ہیں میں نے عمر سے کہا: آپ دیکھتے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر کیا اثر ہو رہا ہے' تو حضرت عمر کہنے لگے :رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا۔ تو رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے اور آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تمہارے درمیان موسیٰ علیہ السلام آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرنے لگو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ تمام امتوں میں (یعنی امت اجابت میں) تم لوگ میرے حصے میں آئے ہو اور تمام نبیوں میں مَیں تم لوگوں کا نصیب ہوں۔

دوسری حدیث۔ حافظ ابو بکر کہتے ہیں ہم سے اسحٰق نے حدیث بیان کی ان سے حماد نے اور ان کی روایت مجالد سے ان کی شعبی سے اور وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل کتاب سے کوئی بات نہ پوچھو وہ تم کو ہدایت نہیں دے سکتے وہ گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور ان سے کچھ پوچھنے کی صورت میں یا تو تم باطل کی تائید کر بیٹھو گے یا حق کی تکذیب کرو گے (یعنی وہ توریت وانجیل کے حوالے سے جو کچھ بتائیں گے اس کے حق اور باطل ہونے کی کوئی ضمانت نہیں ہے اس لئے تم جس بات کو صحیح سمجھو گے وہ اصلا غلط ہو سکتی ہے اور جس بات کو تم باطل سمجھو گے وہ حق ہو سکتی ہے اس لئے توریت کی نہ تصدیق کرنی اور نہ انکار دونوں میں گمرہی کا خطرہ ہے)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

فالرسول محمد خاتم النبیین صلوات اللہ و سلامہ علیہ دایما الی یوم الدین ۔ وھو الامام الاعظم الذی وجد فی ای عصر وجد لکان الواجب الطاعۃ المقدم علی الانبیاء کلھم ولھذا کان امامھم فی لیلۃ الاسراء لما اجتمعوا ببیت المقدس و کذلك ھو الشفیع فی یوم الحشر فی اتیان الرب لفصل القضاء وھو المقام المحمود الذی لایلیق الا لہ۔

ترجمہ : تو رسول محمد رسول اللہ جن پر قیامت تک ہمیشہ درود وسلام ہو۔ وہی امام اعظم ہیں، وہ جس زمانے میں پائے جاتے واجب الاطاعت نبی ہوتے، وہ تمام نبیوں پر مقدم ہیں اور اسی لئے جب بیت المقدس میں معراج کی شب تمام نبی جمع تھے آپ ان کے امام ہوئے، اور اسی طرح حشر کے دن جب اللہ تعالی فیصلے کے لئے بلائے گا تو آپ شفیع ہوں گے اور وہ منصب آپ کا مقام محمود ہوگا، آپ کے سوا کوئی اس منصب کے لائق نہیں ہوگا۔

احادیث ختم نبوت کو ہم بعد میں پیش کریں گے، یہاں تفسیر ابن کثیر کے حوالے میں ضمناً ذکر ہوا۔

راقم سطور اپنی کم علمی کے اعتراف کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے نہایت حکمت کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کو واضح فرمایا ہے۔ محض اتنی ہی وجہ ہوتی کہ انبیائے کرام علیہم السلام ایک دوسرے کی تائید وتصدیق کریں تو اس کے لئے میثاق کی ضرورت نہ تھی جو حلف لینے کے مرادف ہے وعدہ کا لفظ کافی ہوتا، انبیا اپنے اخلاق عالیہ میں غیر نبی سے بہت اونچے ہیں ان سے کوئی وعدہ نہ لیا جاتا تو بھی وہ آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق وتائید کرتے اور ایک دوسرے کے معاون ہوتے، انبیائے کرام تمام اخلاقی خوبیوں کے جامع ہوتے ہیں، صالحیت ان کی فطرت میں ہوتی ہے۔

آیت مذکورہ میں اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق وتائید اور نصرت واعانت کو قانونی شکل دی ہے، کیونکہ مشیت الہی نے ہر نبی کی بعثت کے لئے کرۂ ارضی کے خاص خاص حصے متعین فرمائے اور قومیں مخصوص فرمائیں، اس طرح ان کا دائرۂ نبوت اور کار بعثت محدود ہوا، پوری انسانیت کی ہدایت کے لئے کوئی ایک نبی متعین نہیں ہوا اور نہ کسی ایک رسول کی لائی ہوئی شریعت کو پورے کرۂ ارضی میں نافذ کرنے کا حکم دیا گیا اور کسی کے زمان نبوت کو دوام نہیں عطا کیا گیا، بعض انبیائے کرام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کی امتیں بھی باقی نہ رہیں بعض قومیں تو بالکل ہلاک ہی کر دی گئیں۔

مشیت الہی، انبیاو مرسلین کے ذریعے شروع ہونے والے سلسلۂ ہدایت کی تکمیل، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت پر کرنا چاہتی تھی اور تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں قرآن کو ہدایت کی آخری اور دائمی کتاب بنا کر نازل کرنا چاہتی تھی۔ مشیت الہی نے جب یہ فیصلہ کرلیا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہوں گے ان پر نبوت کی تکمیل ہوگی اور ان کی نبوت کا زمانہ قیامت تک جاری رہے گا، اور پورے کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کے لئے اسلام کا قانون نافذ ہوگا تو وہ قرآن کا قانون ہوگا اور محمد عربی کا قانون ہوگا (ﷺ)۔ اس نبی کے آجانے کے بعد اور اس کتاب کے آجانے کے بعد سب کو اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہوگا اور اس طرح تمام نبیوں کے محدود دائرے نبوت محمدی کے وسیع اور ہمہ گیر دائرے کے اندر آجائیں گے۔ قرآن کا قانون اور قرآن کی روشنی میں وضع کردہ محمد عربی ﷺ کا قانون، اللہ کا قانون ہوگا، قانون الہی سے تجاوز کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کا فیصلہ ازلی ہے اور ہر فیصلہ اس کے علم ازلی میں ہے، اس لئے قانون الہی کی پیروی اور پاسداری کا فیصلہ بھی ازل ہی میں کیا گیا اور انبیائے کرام سے اس وقت عہد لیا گیا جب ان کا وجود ''نسمہ'' کی شکل میں تھا، اس کی کیفیت ونوعیت اللہ ہی جانتا ہے۔ سبھی جانتے ہیں کہ ملکی قوانین کو تسلیم کرنے کے لئے اور اس کے مطابق نظام حکومت چلانے کے لئے حلف لینا ضروری ہے صرف وعدہ کافی نہیں ہوتا۔ انبیائے کرام اصلا خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں، ان کی بعثت کا مقصد ہی زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنا ہے۔ اللہ تعالی نے انبیا سے حلفا اقرار کرایا کہ ہمارے جس خلیفہ کی موجودگی میں ہمارا خلیفۂ اعظم

آجائے تو سب اس کو تسلیم کرلیں کیونکہ اسی کے ہاتھ میں انسانوں کی ہدایت کا نسخۂ کیمیا ہوگا، اسی کے ہاتھ میں اسلام کا مکمل دستور حیات ہوگا، اسلام کا نظام حیات ہو، اسلام کا نظام معیشت ہو، اسلام کا نظام سیاست ہو، اسلام کا نظام خلافت ہو، اسلام کا نظام جہاد ہو، اسلام کا نظام اقتصاد ہو۔ اسلام کا اب جو تعارف ہوگا وہ قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ سے ہوگا۔ اگر چہ ایسا ہوا نہیں کہ کسی نبی کے زمین پر موجود رہتے ہوئے آپ کی بعثت ہوئی لیکن قانون بنایا گیا تا کہ انبیا کے نہ ہونے کی صورت میں ان کی امتیں اس قانون کی اہمیت سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔

حلف واقرار کے بعد یہ بھی تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ اس عہد سے پھر جائیں تو وہی لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ — (آل عمران)

مفسرین کے نزدیک یہاں فسق سے مراد دین سے نکل جانا ہے۔ یعنی قانون الٰہی کی تکمیل اور نفاذ کے بعد اس کا انکار دین اسلام کا انکار ہوگا۔ انبیائے کرام علیہم السلام سے تو اس کی توقع ہی نہیں لیکن ان کی امتیں انکار کرسکتی ہیں، اسی لئے یہ حکم نافذ کیا گیا اور اس کے بعد فرمایا :

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ — (آل عمران)

ترجمہ : کیا (یہ) کافر اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں؟ حالانکہ سب اہل آسمان و زمین خوشی یا زبردستی اللہ کے فرماں بردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اس کے بعد کی آیت نمبر : ۸۴ میں تمام نبیوں پر نازل شدہ احکام وشرائع پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد کی آیت میں فرمایا :

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ — (آل عمران)

ترجمہ : اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کی تلاش کرے گا وہ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوگا۔

آل عمران کی آیت نمبر ۸۱ سے یہاں تک کی آیات ملاحظہ کریں تو بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے علاوہ اصلا کوئی دین ہی نہیں ہے گمراہ قوموں نے جو خود ساختہ ادیان بنا رکھے ہیں وہ سب عند اللہ مردود ہیں۔ ازل سے اسلام ہی دین حق ہے اور جب اسلام اپنے تمام احکام وشرائع کے ساتھ مکمل ہوگیا اور قیامت تک کے لئے نبی آخر الزماں پر کار نبوت کی تکمیل کردی گئی اور دنیا کے اختتام تک قرآن کتاب ہدایت بنا کر اتار دیا گیا تو اب کسی کو اس سے انحراف کی کوئی گنجایش نہیں رہی۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس حلف کی کتنی اہمیت ہے جو انبیائے کرام اور ان کی امتوں سے لیا گیا تھا۔ اب کسی نئے نبی کی بات کرنی اور کسی کا دعوائے نبوت کرنا پرلے درجے کی حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

اس حلف کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ سیدنا ابوالبشر آدم علیہ السلام سے سیدنا عیسی روح اللہ علیہ السلام تک جاری رہا، اس طویل عرصے میں کسی نبی کو ایفائے عہد کا موقع نہیں ملا یہاں تک کہ حضرت عیسی علیہ السلام مبعوث ہوئے اور کار نبوت کی مختصر مدت کے بعد حیات کاملہ کے ساتھ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اور اپنے بعد (یعنی آسمان پر اٹھا لئے جانے کے بعد) آخری نبی کے آنے کی اپنی قوم کو بشارت دے گئے۔ لیکن اس حلف کا تقاضا تھا کہ اس کی عملی صورت سامنے آئے چنانچہ مشیت الہی نے آپ کو حضرت عیسی علیہ السلام کے دور نبوت میں مبعوث فرمایا۔ یہ وہ وقت تھا جب اہل کتاب میں بنی اسرائیل موجود تھے جو خود کو حضرت موسی علیہ السلام کی امت سمجھتے تھے، اور بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ باقی تھا، (کیونکہ وہ حیات ہیں اور اسی عالم تکوین میں موجود ہیں جس کو عالم ملکوت کہا جاتا ہے) نصاری ان کی امت کے طور پر جانے جاتے تھے۔ حکمت الہیہ نے اس زمانے میں آپ کو مبعوث فرما کر اہل کتاب کے دونوں طبقوں کو وہ میثاق یاد دلایا۔ حضرت موسی کی نبوت کا زمانہ اگرچہ گذر چکا تھا لیکن ان کی قوم موجود تھی اور وہ اپنے نبی کی اتباع میں نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کی مکلف ٹھہری۔ آپ کی بعثت کے وقت حضرت عیسی علیہ السلام حیات تھے (اور اب بھی حیات ہیں) اس لئے شریعت عیسوی منسوخ ہوگئی اور نبوت عیسوی آپ کی نبوت کبریٰ کے ماتحت آگئی۔ جب قرب قیامت میں عیسی علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو اس میثاق ازل کے مطابق امام الانبیا خلیفۃ اللہ الاعظم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی تائید وتصدیق کریں گے اور اس قانون کی اتباع کریں گے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق ہوگا۔ حضرت عیسی اور حضرت امام مہدی اسی قانون کو تمام کرۂ ارضی پر نافذ کریں گے۔ اور اس طرح اس میثاق کے الفاظ " لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ " کی عملی صورت بھی سامنے آجائے گی۔ سورۂ آل عمران کی آیت مذکورہ کا یہی مفہوم ہے اور اس آیت شریفہ سے کسی نبی کے مبعوث ہونے کی تمام گنجایش ختم ہوجاتی ہے امکان بھی باقی نہیں رہتا۔ جن علما نے تمثیلا اور بطور مفروضہ بھی کسی نبی کی آمد کی بات کہی ہے وہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ ناممکن الوقوع کے ذکر ہی کی کیا ضرورت ہے، یہاں مفروضات کی بھی گنجائش نہیں ہے، کسی نبی اور رسول کے ظاہر ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ قرب قیامت میں صرف عیسی علیہ السلام، دوبارہ اس عالم ناسوت میں تشریف لائیں گے۔ ان کے علاوہ نہ کوئی نبی زندہ ہو کر آئیں گے اور نہ پیدا ہوں گے۔

* * * * * * * * * *

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

● ڈاکٹر نورالہدیٰ شمسی ـــ ''ہدیٰ منزل'' درگاہ گھیرا، پٹنہ

اسلام میں ہجرت کا عمل بڑا عظیم عمل ہے، اس سلسلہ میں وہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بڑی نصیحت رکھتی ہے کہ :

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں، اور ہجرت کرنے والا وہ ہے جو اس بات کو ترک کردے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے۔''

اور ہر سال ربیع الاول کا مہینہ ہم کو یہ عظیم اور عظیم تر قربانی یاد دلاتا ہے۔ ربیع الاول کا مہینہ ہم کو یہ پیغام سناتا ہے کہ ہمارے رہبر اعظم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وطن و خاندان کو اور اپنے محبوب مرکز عبادت کو اپنے پروردگار کی تابعداری بطریق احسن قائم رکھنے کے لیے چھوڑا اور ایک نئے شہر میں نئے ماحول میں مختلف النسب افراد کے درمیان اپنا مرکز بنایا، ان کے ساتھ تمام مسلمانان مکہ نے یہی قربانی دی۔ یہ قربانی اللہ کے لیے تھی اور مال ومتاع اور جاہ ومنزلت سب کی تھی۔ پھر اس قربانی سے ان کو نعم البدل ملا اور اس سے ان کو طاقت جاہ وعزت حاصل ہوئی، اسلام کی اصل اور مضبوط تاریخ کی ابتدا اس واقعہ ہجرت سے ہوئی۔

ربیع الاول کا مہینہ ہم سے دریافت کرتا ہے کہ ہم اپنے پروردگار کے لیے اپنی محبوب چیزوں کو کتنا قربان کرسکتے ہیں اور اس کے راستے میں ہم جاہ ومال کی چاہ سے اپنے کو کتنا بلند رکھ سکتے ہیں۔

ماہ ہجرت کے سلسلہ میں ایک طرف تو ہمارے لیے یہ مسرت کی بات ہے کہ ہجرت کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے اصحاب نے بطریق احسن انجام دیا اور اس اخلاص کے ساتھ قربانی دی کہ وہ رہتی دنیا تک کے لیے مثال بنی، ہم اس کامیاب عمل سے پوری طرح مسرور وخوش ہوسکتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ جذبہ جو اس عظیم عمل میں تھا دراصل اس کی تقلید ونقل کی ضرورت ہے، ہم کو دیکھنا چاہیے کہ اس جذبہ کے کتنے حصے کو اپنی زندگی میں اتار سکتے ہیں۔

ربیع الاول کا مہینہ بڑا مبارک اور پُرمسرت مہینہ ہے، اس میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف

لائے اور آپ نے اسی مہینہ میں ہجرت فرمائی لیکن یہ مسرت صحیح مسرت اسی وقت بنے گی جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و طریقہ کو اختیار کر کے اور ہجرت کے اندر پائے جانے والے قربانی اور نفس کشی کے جذبہ کو حسب استطاعت اپنانے کی کوشش کریں اور اپنی سیرت وزندگی کو اس کے زیر اثر کرنے اور اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔اس کے بغیر خطرہ ہے کہ یہ اظہار رونق ومسرت محض ظاہر داری بن کر نہ رہ جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور ارشاد کے مطابق نہیں ہوسکتی۔۔۔(نقوش سیرت،ص:۱۹۱۔۱۸۹)

جب سے دنیا قائم ہے اس وقت سے ہمیشہ یہ سلسلہ رہا ہے کہ انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتا ہے اور سفر کے مقاصد بھی کئی ہیں،بعض تجارت وکاروبار کے لیے،بعض تعلقات ہموار کرنے کے لیے،بعض تحصیل علوم کے لیے،بعض علاج و معالجہ کے لیے،بعض نفس کی اصلاح کے لیے،بعض سیر وسیاحت اور تفریح کے لیے سفر کرتے ہیں اور مذکورہ تمام طریقے آج بھی رائج وباقی ہیں۔

لیکن تاریخ انسانی میں ایک ایسا بھی سفر ہوا ہے جس نے سارے عالم میں انقلاب عظیم برپا کر دیا،فرش تو درکنار عرش بریں پر ہل چل مچ گئی،یہ سفر اس ذات گرامی کا ہے جس کو اللہ نے سارے عالم کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا۔وہ محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور وہ اسی لیے مبعوث ہوئے تا کہ انسان اس کے بتائے ہوئے طریقہ کو اپنا کر زندگی سنواریں۔فلاح وکامیابی حاصل کریں،جس سے انسانوں میں امن وسکون،صلح وآشتی،الفت ومحبت ہو،ظلم وباطل کا خاتمہ ہو،لیکن جن کی عقل ماری جائے جو برائیوں کو اپنا شیوہ بنالیں اور برائیاں ان کا اوڑھنا بچھونا بن جائیں،بھلا انہیں برائی کیسے برائی معلوم ہو اور اگر معلوم ہو بھی تو خاندانی آن،جہالت،حکومت وسرداری کی ہوس نے انہیں اندھا کر دیتی ہے تب ہی تو وہ لوگ جس شخصیت کی صداقت کی قسمیں کھاتے تھے،جس کو بالاتفاق صادق وامین سے پکارتے تھے،جس کے وسیلے سے اپنی حاجتیں پوری کرتے تھے،اسی کو لوگوں نے جان سے مارنے کا پلان بنایا اور اس کو عملی جامہ بھی پہنانے پر آمادہ ہو گئے۔تمام قبائل قریش جمع ہوئے اور محبوب رب العالمین کے مکان کا محاصرہ کر کے اس گھات میں لگے رہے کہ گھر سے باہر نکلیں تو یک بارگی حملہ کر کے اس کی بوٹی بوٹی کر دی جائے،لیکن جس کی حفاظت خالق کرے مخلوق اس کا کیا بگاڑ سکتی ہے؟۔۔۔ (متاع دین،ص:۳۱۔۳۰)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی مجرمانہ قرارداد طے ہو چکی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی وحی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی سازش سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں سے روانگی کی اجازت دے دی ہے اور یہ کہتے ہوئے ہجرت کے وقت کا تعین بھی فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ رات اپنے اس بستر پر نہ گذاریں جس پر رات اب تک گذارا کرتے تھے۔

اس اطلاع کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے تاکہ ان کے ساتھ ہجرت کے سارے پروگرام اور مرحلے طے فرمالیں۔اس کے بعد ہجرت کا پروگرام طے کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر واپس تشریف لائے اور رات کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

ادھر قریش کے اکابر مجرمین نے اپنا سارا دن مکے کی پارلیمان دارالندوہ کی پہلے پہر کی طے کردہ قرارداد کے نفاذ کی تیاری میں گذارا اور اس مقصد کے لیے اکابر مجرمین میں سے گیارہ سردار منتخب کئے۔

صفر کی ۲۷ ویں شب ہے تمام قبائل قریش جن کی تعداد حلبیؒ نے لکھا ہے کہ وہ قریش کے سو بہادر تھے، مکان کے چاروں طرف مسلح محاصرہ کر لیتے ہیں اور گھات میں لگے رہتے ہیں کہ مکان سے باہر کی ضرورت سے نکلیں تو کام کر دیا جائے، خدا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرما دیتا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ گھر سے باہر نکل جائیں، حضور قدرے پریشان ہوتے ہیں کہ آخر ایسے موقع پر بچاؤ کی کیا تدبیر ہوسکتی ہے، مکان کا کوئی حصہ خالی نہیں ہے، جدھر سے نکلا جائے۔حکم خداوندی ہوتا ہے کہ ایک مشت مٹی اپنے ہاتھوں میں لے کر ان کافروں کی طرف پھینک دیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا پڑھ کر ایک مٹھی ان کافروں کی طرف پھینکتے ہیں، پھینکتے ہی تمام مشرکین بینائی رہتے ہوئے آنکھ کی بینائی سے محروم ہوجاتے ہیں، ذہن و دماغ رکھتے ہوئے سوچنے سے قاصر ہوجاتے ہیں، ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے قدم نکالتے ہیں۔خدا آپ صلی اللہ علیہ سلم کی مدد کرتا ہے، جس کو قرآن میں کہا گیا ہے کہ تم لوگوں نے رسول کی مدد نہ کی تو اللہ نے مدد کی۔جس وقت کافر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر سے نکال رہے تھے۔۔۔(التوبہ:۴۰)

اس نازک ترین لمحے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ، میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو تمہیں ان کے ہاتھوں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی چادر اوڑھ کر سویا کرتے تھے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا جو امانتیں میرے پاس ہیں ان سبھوں کو ان کے مالک کے حوالہ کر کے میرے پاس آجانا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، مشرکین کی صفیں چیریں اور ایک مٹھی سنگریزوں والی مٹی لے کر ان کے سروں پر ڈال دی، اللہ نے ان کی نگاہیں پکڑ لیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکے۔اس موقع پر کوئی بھی مشرک باقی نہ بچا جس کے سر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈالی ہوئی مٹی نہ پہنچی ہو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور پھر ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے رات ہی رات یمن کا رخ کیا اور چند میل پر واقع ثور نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا پہنچے۔

غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خود جاتے ہیں صاف کرتے ہیں اور اپنی چادر کو پھاڑ کر تمام سوراخ بند کر لیتے ہیں پھر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوتے ہیں، داخل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر نیند سے سو جاتے ہیں اور ایک سوراخ جو کپڑا ختم ہونے کے باعث خالی رہ گیا تھا اس پر صدیق اکبرؓ پاؤں رکھے تھے۔ سوراخ میں سانپ تھا اس نے ڈس لیا۔ بدن پیلا پڑ گیا، لیکن انہوں نے جسم میں حرکت نہ ہونے دی کہ میرے معشوق کے نیند میں خلل نہ ہو جائے، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آنکھ کھولی تو دیکھ کر پریشان ہوئے، اپنے لعاب مبارک کو لگا دیا جس نے تریاق کا کام کیا اور زہر کا اثر کافور ہو گیا۔

تین دنوں تک آپ اس غار میں رہتے ہیں، دن بھر کی کاروائی ابو بکرؓ کے صاحبزادے عبداللہ شام کو جا کر بتا دیتے اور ابو بکرؓ کا غلام بکریوں کے ریوڑ کو اس راستہ سے لے کر گذرتے اور دودھ پلا دیتے۔

حضرت ابو بکرؓ کی ایک روایت ہے ان کا بیان ہے کہ ہم لوگ روانہ ہوئے تو قوم ہماری تلاش میں تھی مگر سراقہ بن مالک بن جعشم کے سوا، جو اپنے گھوڑے پر آیا تھا اور کوئی ہمیں نہ دیکھ سکا، تین دنوں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں رہے۔

مدینہ کی راہ میں :

دوشنبہ کی رات آئی جو ربیع الاول اھ کی چاند رات تھی (مطابق ۱۶ ستمبر ۶۲۲ء) تو عبداللہ بن اریقط سواریاں لے کر آ گیا۔ ادھر اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بھی زاد سفر لے کر آئیں، مگر اس میں لٹکانے والا بندھن لگانا بھول گئیں، جب روانگی کا وقت آیا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے توشہ لٹکانا چاہا تو دیکھا کہ اسمیں بندھن ہی نہیں ہے، انہوں نے اپنا پٹکا (کمر بند) کھولا اور دو حصوں میں چاک کر کے ایک میں توشہ لٹکا دیا اور دوسرا کمر میں باندھ لیا، اسی وجہ سے ان کا لقب ''ذات النطاقین'' پڑ گیا۔

اس کے بعد یہ چاروں حضرت آگے بڑھے اور ایک اونٹ جس کا نام قصویٰ تھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے، دوسرے پر ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے غلام، تیسرے پر دلیل راہ کافر عبداللہ بن اریقط اس طرح یہ قافلہ آگے بڑھا۔ دوسری طرف تمام مشرکین میں ہل چل مچی تھی، بڑے بڑے ماہرین قیافہ شناس و شہسوار سب ڈھونڈ کر پریشان ہو گئے تھے، لیکن کہیں سراغ نہیں مل رہا تھا، جس پر کافروں نے اعلان کر دیا کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو زندہ یا مردہ حاضر کر دے گا اسے سو اونٹ انعام سے نوازا جائے گا، جس کے لالچ میں سراقہ بن مالک بن جعشم تعاقب میں نکلا اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا غدیر کے مقام پر پہنچا اور وہیں پر گھوڑے سے گر گیا۔ عرب کے دستور کے مطابق فال نکالا۔ اس کے خلاف نکلا پھر حرص کا مارا آگے بڑھا اور اتنا قریب ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر الٰہی کی آواز اس کو آنے لگی، یکا یک گھوڑے کا پاؤں زمین میں دھنس گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ اب نہیں نکل سکتے تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان طلب کی، بحکم حضور ابو بکر کے غلام نے چمڑے پر لکھ کر امان دی، وہ کافر وہاں سے نامراد واپس ہوا۔

ادھر یہ مختصر قافلہ آٹھ دن کی مسافت کے بعد دوشنبہ ۸ ربیع الاول اھ مطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کو قبا پہنچا جو مدینہ سے

قریب ہے، وہاں آپ کلثوم بن الہدم کے مکان پر فروکش ہوئے، وہیں آپ نے سب سے پہلی مسجد بنائی جس کو قرآن نے "لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى" (التوبہ:۱۰۸) سے یاد کیا ہے اور سب سے پہلے نماز جمعہ قبا میں مسجد بنو سالم بن عوف میں ادا کی گئی، کچھ دن قیام کے بعد مدینہ تشریف لے گئے اور اسی دن سے اس شہر کا نام یثرب کے بجائے مدینۃ الرسول، شہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑ گیا، جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے۔

یہ نہایت تابناک تاریخی دن تھا۔ گلی کوچے تقدیس وتحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے، جب مدینہ پہنچے تو وہاں عورتوں مردوں بچوں نے پرتپاک استقبال کیا اور "طلع البدر علینا" یعنی چاند ہمارے اوپر نکلا ہے کا ترانے گانے لگے، مدینہ والوں نے اسلام اور رسول اسلام کو اپنے دل میں بسایا اور ایثار وقربانی کا جو نمونہ پیش کیا، اس کی وجہ سے مدینہ کو دنیا کی جنت بننے کا شرف حاصل ہوگیا، جو پہلے یثرب کے نام سے جانا جاتا تھا۔

تاریخ انسانی میں یہ ایسا کارنامہ ہے جس کو انسانیت کبھی فراموش نہیں کرسکتی، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ایک سے ایک کارنامے ہیں، لیکن تاریخ اور اسلامی کلینڈر کی ابتداء کا شرف جو ہجری کے نام سے جانا جاتا ہے، اسی کا مبدا یہی سفر ہے جو عالم میں فقید المثال ہے اور سفر ہجرت سے موسوم ہے۔

حواشی :

(۱) الرحیق المختوم، تصنیف: مولانا صفی الرحمن مبارکپوری۔

(۲) متاع دین، مرتبہ: محمد عالم قاسمی۔

(۳) نقوش سیرت صلی اللہ علیہ وسلم، مصنفہ: مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے خصوصی استفادہ کیا گیا۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

توجہ طلب

سہ ماہی مجلہ "المجیب" میں شائع ہونے والے مضامین میں حسب ضرورت تلخیص اور الفاظ وتراکیب کی تصحیح کرنی پڑتی ہے۔

اہل قلم حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اِسے گوارہ فرمائیں۔ بصورت دیگر ہماری معذرت قبول فرمائیں۔۔۔ (ادارہ)

نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ
(شہید کربلا)

● مولانا نور الحق رحمانی —— استاذ المعہد العالی، پھلواری شریف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے نواسے اور حضرت علی وحضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے دوسرے صاحبزادے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید کربلا ہیں، ان کی پیدائش مدینہ منورہ میں ۵ رشعبان ۴ ھ میں ہوئی، یہ اپنے بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے تقریباً سال بھر چھوٹے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیدائش کی خبر سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور انہیں اپنے گود میں لے کر ان کی تحنیک فرمائی اور اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں داخل کر کے اپنا لعاب مبارک ان کے منھ میں داخل کیا، ان کے کانوں میں اذان دی اور ان کے لیے دعا فرمائی، پھر ان کا عقیقہ کرنے اور سر کے مونڈے ہوئے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تعمیل کی، پھر آپ نے ہی ان کا نام حسین رکھا۔ یہ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، لیکن ان کے جسم کا نچلا حصہ نانا جان کے مشابہ تھا :

روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنہ حنکہ وتفل فی فیہ ودعالہ وسماہ حسینا وقد سماہ أبوہ قبل ذلك حربا — (البدایۃ والنہایۃ:۱۵۰/۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر سات سال تھی۔ ان کی عمر کا یہ حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں گذرا اور بچپن میں انہیں اپنے نانا جان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرات شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانۂ خلافت میں متعدد معرکوں میں شریک رہے۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں جب باغیوں اور بلوائیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کیا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے ان دونوں صاحبزادوں کو ان کے گھر کی حفاظت پر مامور فرمایا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ نے پاپیادہ پچیس حج کئے، کسی روایت میں بیس حج کا تذکرہ ہے، اہل سیر نے تطبیق کی صورت اس طرح پیدا کی ہے کہ بیس حج تو اپنے برادر بزرگ کے ساتھ کئے اور ان کی شہادت کے بعد پانچ حج کئے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دونوں صاحب زادوں (حضرات حسنین رضی اللہ عنہما) کے لیے بدری صحابہ کے بہ قدر سالانہ پانچ پانچ ہزار درہم وظیفہ مقرر فرمایا۔

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان ذی النورین کے عہد خلافت میں جب طہرستان پر حملہ ہوا تو ان دونوں بھائیوں نے اس میں مجاہدانہ شرکت فرمائی۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں بھی ان کی شرکت رہی، پھر حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر فوج کشی ہوئی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس میں بھی شرکت فرمائی۔

حضرت امیر معاویہ کی وفات ۶۰ھ میں ہوئی، وفات سے قبل انہوں نے اپنے صاحب زادے یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا اور اس کے لیے بیعت لینی شروع کر دی تھی، شام میں تو امیر معاویہ کا گہرا اثر ورسوخ تھا، اس لیے شام کے لوگوں نے بلا تکلف یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی، دوسرے شہروں اور علاقے کے لوگوں نے بھی عمال کے ذریعہ بیعت کر لی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کی تعلیم وتربیت کا اپنے دور خلافت میں خاص خیال رکھا، ایک دو مرتبہ اس کو امیر الحج بنا کر مکہ بھیجا تھا، ان کے زمانہ میں جب قسطنطنیہ پر حملہ ہوا تو فوج کے ایک حصہ کا انہیں سردار بنا کر بھیجا تھا لیکن مدینہ منورہ میں اس وقت اکابر صحابہ حضرت حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم موجود تھے اور دوسرے شہروں میں بھی صحابہ کرام موجود تھے، وہ یزید کے مقابلہ میں خلافت کے زیادہ مستحق تھے، اس لیے دینی حلقوں میں یزید کو پسند نہیں کیا گیا کہ خدانخواستہ اسلام میں قیصر وکسریٰ کی سنت پر عمل ہونے لگے اور باپ کے بعد لامحالہ بیٹا تخت نشیں ہونے لگے، اس وقت مدینہ کے گورنر امیر معاویہ کے بھتیجے ولید بن عتبہ ابن ابی سفیان تھے اور کوفہ کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر تھے، یزید نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی مختلف صوبوں کے والیوں کو یہ فرمان جاری کیا کہ وہ ان کے نام پر بیعت لیں۔ امیر معاویہ کی زندگی میں بھی یہ کوشش ہوئی تھی لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے اس کی بیعت سے انکار کیا تھا لیکن امیر معاویہؓ نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا اور یزید کو یہ وصیت کی تھی کہ وہ حضرت حسین بن علیؓ کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں اور شدت نہ برتیں، مدینہ کے والی ولید بن عتبہ کو بھی یزید کی طرف سے یہ فرمان پہنچا لیکن یہ نرم دل اور نیک طبیعت اور امن پسند انسان تھے، ان کے مزاج میں شدت اور تندی نہیں تھی اور وہ نواسۂ رسول حضرت حسین اور عبداللہ بن زبیر کے مقام ومرتبہ سے واقف تھے۔ یزید کی طرف سے ان دونوں بزرگوں سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم تھا۔ ولید نے اکابر مدینہ کو جمع کر کے یزید کا حکم سنایا اور ان سے بیعت کا مطالبہ کیا، تو ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ میں سوچ کر کوئی فیصلہ کروں گا۔ اس کے لیے آپ عجلت نہ کریں، ولید نے انہیں سوچنے کی مہلت دے دی، ان دونوں حضرات نے محسوس کیا کہ آئندہ اس معاملے میں سختی ہو سکتی ہے اور بغیر

بیعت کے یہاں قیام ممکن نہیں، اس لیے یہ دونوں حضرات راتوں رات اپنے اہل وعیال کے ساتھ نہایت خاموشی اور راز داری سے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ منتقل ہو گئے اور وہاں پہنچ کر ابن زبیر نے حرم مکی میں پناہ لی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شعب ابی طالب میں قیام فرمایا۔

یزید نے حارث بن حرکو مکہ کا عامل بنا کر مکہ بھیج دیا تھا، عبداللہ بن صفوان بن امیہ نے جو شرفاء مکہ میں سے تھے، جب عبداللہ بن زبیر کو حرم شریف میں دیکھا تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اس کے بعد مکہ کے شرفاء وعمائدین میں سے دو ہزار لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اس طرح مکہ معظمہ کی حکومت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آ گئی اور انہوں نے حارث کو گرفتار کر کے اس کے گھر میں قید کر دیا۔ اس طرح بتدریج اہل مکہ نے حضرت ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی، پھر کچھ دنوں کے بعد عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ بھی مکہ تشریف لے آئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ملاقات مکہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ہوتی اور مشورہ بھی ہوتا لیکن انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اور ان کے اہل خاندان سے بیعت کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابن زبیرؓ کی بیعت کا مقصد یہ تھا کہ یزید کی موروثی اور غیر شرعی بادشاہت کو تسلیم نہیں کیا جائے اور جب تک پورے عالم اسلام کے لیے متفقہ طور پر کسی کو خلیفہ منتخب نہ کیا جائے عبداللہ بن زبیرؓ اس وقت تک نظم وانتظام اور امن وامان قائم رکھنے کے لیے مکہ کے سربراہ تسلیم کئے جائیں۔

اکابر صحابہ کے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ چلے جانے کے بعد مروان نے یزید کو وہاں کے حالات سے باخبر کیا، یزید نے ولید بن عتبہ کو معزول کر کے عمرو بن سعید بن عاص کو مدینہ کا گورنر بنا کر بھیجا، ولید بن عتبہ مدینہ منورہ کی حکومت عمرو بن سعید کے سپرد کر کے یزید کے پاس شام چلے گئے۔ حارث نے جو مکہ میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا تھا، مکہ کے حالات سے یزید کو مطلع کیا، یزید نے عمرو بن سعید حاکم مدینہ کو لکھا کہ وہ مکہ فوجی دستہ لے کر جائے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو گرفتار کر کے یزید کے پاس بھیج دے، عمرو بن سعید نے اس مقصد کے لیے زبردست فوجی دستہ مکہ روانہ کیا، لڑائی میں عبداللہ بن زبیر کو غلبہ حاصل ہوا، فوج نے شکست کھائی اور فوج کا سپہ سالار ان کے ہاتھ گرفتار ہوا، اور مکہ پر حضرت عبداللہ بن زبیر کی گرفت اور حکومت مضبوط ہو گئی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں دارالخلافت مدینہ سے عراق منتقل ہو گیا تھا اور وہ اپنے پورے اہل خاندان کے ساتھ کوفہ میں مقیم رہے، عراق میں ان کے عقیدت مند لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ یہ لوگ پہلے سے امیر معاویہؓ کے خلاف تھے، اور ان کے انتقال کے بعد انہوں نے یزید کے لیے بیعت نہیں کی تھی، بلکہ وہ خلافت حضرت امام حسینؓ کی طرف منتقل کرنا چاہتے تھے۔ امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد جب یزید کا خط کوفہ کے حاکم حضرت نعمان بن بشیرؓ کے پاس پہنچا اور انہیں اہل کوفہ سے اپنے لیے بیعت لینے کا حکم دیا تو جو لوگ بنی امیہ کے حامی تھے، انہوں نے بلا تامل نعمان بن بشیرؓ کے ہاتھ پر یزید کی خلافت کی بیعت کی، لیکن جو لوگ حضرت علی اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے حامی تھے، انہوں نے بیعت نہیں کی اور مشورہ کے لیے

سلیمان بن صرد کے گھر میں جمع ہوئے اور مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ یزید کو خلیفہ تسلیم نہ کیا جائے اور امام حسین کو کوفہ بلایا جائے، چنانچہ انہوں نے امام حسین کے پاس بلاوے کے خطوط بھیجے اور اپنے نمائندے بھی ان کی خدمت میں روانہ کئے، بلکہ کوفہ کے عمائدین میں بھی متعدد حضرات نے مکہ پہنچ کر انہیں کوفہ آنے کی دعوت دی اور کہا کہ یہ موقع بہت اچھا ہے، آپ دیر مطلق نہ کیجئے، ہم یزید کے گورنر نعمان بن بشیر کو قید کر کے کوفہ آپ کے سپرد کر دیں گے، کوفہ وعراق میں ایک لاکھ فوج موجود ہے، وہ سب کے سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں۔

جب اس طرح کے خطوط امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس مسلسل پہنچنے شروع ہوئے اور اہل کوفہ کی طرف سے اتنا اصرار ہوا تو انہوں نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر حالات کی تحقیق کے لیے کوفہ روانہ کیا، اور ان سے کہہ دیا کہ اگر کوفہ میں لوگوں کا ان پر اتفاق ہو اور حالات سازگار ہوں تو انہیں مطلع کریں، تاکہ وہ اپنے پورے گھرانے کے ساتھ کوفہ آجائیں اور مسلم بن عقیل کے ہاتھ اہل کوفہ کے نام خط بھی لکھا۔ مسلم جب مکہ سے چلے تو مدینہ ہو کر گذرے اور وہاں سے رہبر بھی ساتھ لیا جو انہیں غیر معروف راستے سے لے کر کوفہ پہنچے اور وہاں مختار بن ابی عبید کے مکان پر اترے، جب شیعان علی کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ جوق در جوق وہاں پہنچ کر ان کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کے لیے بیعت کرنی شروع کی، پہلے ہی دن بارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی اور قسم کھا کر وعدہ کیا کہ ہم جان اور مال سے ان کی مدد کریں گے، پھر یہ تعداد بڑھ کر اٹھارہ ہزار کو پہنچ گئی، اس پر مسلم بن عقیل کو اطمینان ہو گیا اور انہوں نے حضرت حسینؓ کو خط لکھ دیا کہ یہاں کے حالات آپ کے حق میں ہیں۔ اتنے لوگوں نے میرے ہاتھ پر آپ کی خلافت کے لیے بیعت کی ہے اور جان ومال سے مدد کا وعدہ کیا، آپ یہاں پہنچ کر جب علانیہ بیعت لیں گے تو لاکھوں آدمی آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، اس لیے آپ جلد کوفہ کا رخ کریں، مسلم نے قیس اور عبدالرحمن دو نمائندوں کے ذریعہ یہ خط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام مکہ روانہ کیا۔ خط پڑھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور سوچا کہ بصرہ میں بھی شیعان علی کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، چنانچہ انہوں نے شرفاء بصرہ کے نام خط دے کر اپنا ایک نمائندہ بھی روانہ کیا اور ان سے بھی اپنے لیے بیعت لینے اور کوفہ پہنچنے کی درخواست کی۔

اس وقت یزید کی طرف سے کوفہ کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر تھے، وہ بڑے متدین متقی نیک طبیعت اور امن پسند آدمی تھے، بعض لوگوں نے انہیں مسلم بن عقیل کے کوفہ آنے اور لوگوں سے بیعت لینے کی خبر دی اور اس سلسلے میں ان سے سختی کرنے اور مسلم کو گرفتار کرنے کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے اس چیز کو لائق اعتناء نہیں سمجھا اور کہا کہ جس چیز کو یہ لوگ خفیہ طور پر کر رہے ہیں میں اس کا ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھتا، جب تک یہ لوگ میرے مقابلہ میں نہیں نکلیں گے اور میرے خلاف کھڑے نہیں ہوں گے، میں ان سے تعرض نہیں کروں گا اور لوگوں کو بلا کر کہا کہ فتنہ واختلاف میں نہ پڑو، اس میں جان ومال کی ہلاکت ہے۔

جب ان جاسوسوں اور شکایت کرنے والوں نے دیکھا کہ گورنر نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا تو انہوں نے یزید کے پاس

خط لکھ کر اسے کوفہ کے حالات سے مطلع کیا اور سخت اقدام کا مشورہ دیا، یہ خط لکھنے والے عبداللہ بن مسلم حضری، عمارہ بن عقبہ اور ابومعیط تھے، ان خطوط نے یزید کو چونکا دیا، وہ بہت پریشان ہوا اور امیر معاویہ کے آزاد کردہ غلام سرجون سے مشورہ کیا جس سے خود امیر معاویہ بھی اہم مسائل اور پیچیدہ مشکلات میں مشورہ کیا کرتے تھے، اس غلام نے یزید کو یہ مشورہ دیا کہ عراق اس وقت آپ کے ہاتھ سے نکلنا چاہتا ہے۔ میرے خیال میں اس مسئلے کا صرف ایک حل ہے اور وہ یہ کہ آپ عبیداللہ بن زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کی ولایت بھی سونپ دیں، اگر کوئی والی اور حاکم عراق کو بچا سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف ابن زیاد ہے، کوئی دوسرا گورنر اس مشکل میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا اور کوفہ و بصرہ کو بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یزید کے لیے یہ مشکل مرحلہ تھا، اس لیے کہ وہ عبیداللہ بن زیاد سے ناراض تھا اور اسے بصرہ کی ولایت سے بھی معزول کرنا چاہتا تھا لیکن غلام کی بات اسے حکمت پر مبنی نظر آئی، اس لیے اس نے اپنی خواہش اور مرضی کے خلاف نعمان بن بشیر کو معزول کر کے ابن زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کی گورنری بھی سپرد کر دی اور اسے یہ خط لکھا کہ بصرہ میں کسی مناسب آدمی کو اپنا نائب منتخب کر کے فوراً کوفہ پہنچ جاؤ اور مسلم بن عقیل کے خلاف کوئی سخت کارروائی کرو، انہیں یا تو قتل کر دو یا کوفہ سے نکال باہر کرو اور ان کے ہاتھ پر حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے بیعت کرنے والوں کو سخت سزا دو، ابن زیاد نے یزید کے حکم پر فوری طور پر عمل کرتے ہوئے اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا نائب بنا کر خود اگلے دن کوفہ روانہ ہونے کا ارادہ کیا، رات ہی میں اسے منذر بن الحارث نے خبر دی کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا ایک قاصد خفیہ طریقے سے ان کے لیے لوگوں سے بیعت لے رہا ہے۔ ابن زیاد نے اسے دھوکے سے گرفتار کر کے صبح کو مجمع جمع کر کے لوگوں کے سامنے قتل کرا دیا، اور لوگوں کو اعلان کر کے کہہ دیا کہ قاصد جن لوگوں کے نام حسین بن علیؓ کا پیغام لایا ہے اور جن لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان کی فہرست میرے پاس ہے، میں ان سے سختی سے نمٹوں گا۔ میں اب کوفہ جا رہا ہوں، وہاں مسلم کو جو حسین بن علی کے لیے لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں، سب بیعت کرنے والوں کو قتل کروں گا، پھر وہ کوفہ روانہ ہوا اور مغرب اور عشاء کے درمیان کوفہ پہنچا اور سرکاری قصر امارت میں فروکش ہوا، وہ لوگوں کی جس جماعت کے پاس سے گذرتا اسے سلام کرتا، لوگ یہ سمجھ کر اس کے سلام جواب دیتے اور مرحبا کہتے کہ نواسۂ رسول ہیں، جن کی آمد کے وہ منتظر تھے، تھوڑی دیر کے بعد اس کا لشکر بھی کوفہ میں داخل ہوا۔ اگلے دن سے ابن زیاد نے سختی شروع کر دی، اہل کوفہ کو جمع کر کے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا :

''باشندگان کوفہ! امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم مقرر کر کے بھیجا ہے اور مظلوموں کے ساتھ انصاف، مطیع و فرماں بردار کے ساتھ احسان وسلوک اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا ہے، میں اس حکم کو پورا کروں گا، مطیع و منقاد کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آؤں گا لیکن مخالفوں کے لیے میں سم قاتل ہوں''—(ابن اثیر : ۱۰/۴)

اس کے بعد ابن زیاد نے کوفہ کے امراء کو قصر امارت میں طلب کیا اور ہر محلہ کے چودھری کو اس کے محلہ کا ذمہ دار

بنایا اور تاکید کی وہ اپنے اپنے محلہ کے فتنہ پرور اور مشتبہ لوگوں کے نام لکھ کر مطلع کریں، اور جو اس میں کوتاہی کرے گا اسے اس کے دروازہ پر سولی دی جائے گی، جب مسلم بن عقیل کو ابن زیاد کے انتظامات کا علم ہوا اور اس کی سختی دیکھی تو وہ مختار کے گھر سے چپکے سے اہل بیت کے حامی ہانی بن عروہ مدلجی کے گھر منتقل ہو گئے۔ ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کے بارے میں چھان بین کی اور لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں تو کسی نے پتہ نہ بتایا، بالآخر اسے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وہ ہانی بن عروہ کے گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ تمیم کے آزاد کردہ ایک غلام معقل کو جسے کوفہ میں لوگ نہیں پہچانتے تھے، عبید اللہ بن زیاد نے رازداری کے ساتھ بلا کر تین ہزار درہم کی تھیلی دی اور کہا کہ تم چپکے سے ہانی بن عروہ کے مکان میں جاؤ اور اس سے کہو کہ مجھے بصرہ کے آدمیوں نے مسلم بن عقیل کے لیے یہ تھیلی دی ہے اور ان کا کچھ پیغام بھی ہے، مجھے آپ ان سے ملا دیں، ہانی اس غلام کی سازش کو نہ سمجھ سکے اور انہیں مسلم بن عقیل سے ملا دیا، انہوں نے وہ تھیلی مسلم کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ یہ بصرہ کے فلاں فلاں صاحب کی طرف سے آپ کے لیے ہدیہ ہے، اسے اپنی ضرورت میں صرف کریں، امام حسین رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ وہ فلاں تاریخ کو کوفہ پہنچ رہے ہیں، بصرہ سے بھی مخلصین اسی تاریخ کو کوفہ آئیں گے، آپ بالکل مطمئن رہیں، ہم سب لوگ ایک ساتھ مقررہ تاریخ کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوں گے۔ مسلم نے تھیلی لے کر معقل کو رخصت کیا، معقل وہاں سے رخصت ہو کر سیدھے ابن زیاد کے پاس آیا اور اسے مطلع کیا کہ مسلم ہانی کے گھر میں موجود ہیں، میں ان سے مل کر آرہا ہوں۔ ہانی کوفہ کے بڑے امراء میں تھے، اس لیے وہاں کے امرا کے پاس ان کی آمد و رفت تھی۔ ایک مرتبہ ابن زیاد نے امرا سے ہانی کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ امرا کے ساتھ یہاں کیوں نہیں آتے، مسلم نے جب سے ان کے گھر میں پناہ لی تھی، انہوں نے ابن زیاد کے پاس آنا بند کر دیا تھا اور بیماری کی صورت بنا کر اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے رہتے تھے، امرا نے بتایا کہ ان کی طبیعت ناساز ہے، بالآخر ابن زیاد نے امرا کو بھیج کر قصر امارت میں انہیں حاضر کیا اور پوچھا کہ مسلم بن عقیل کہاں ہے؟ تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو ابن زیاد نے اس غلام کو جو ہانی کے گھر میں مسلم سے مل کر آیا تھا، ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ اب تو ہانی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور انکار کی گنجائش نہیں رہی، کیوں کہ غلام نے سب کے سامنے شہادت دی کہ اس نے ان کے مکان میں مسلم سے مل کر بیعت کی ہے، ہانی شرمندہ ہو کر کہنے لگے کہ میں نے انہیں بلایا نہیں تھا، وہ از خود میرے پاس آئے تھے اور مجھے انہیں اپنے یہاں ٹھہرانے میں بھی تامل تھا، لیکن میں مروت کی وجہ سے انکار نہیں کر سکا، ابن زیاد نے ان سے کہا کہ اب تم انہیں میرے سپرد کر دو، ہانی نے کہا کہ مسلم میرے پاس پناہ گزیں ہیں، مجھے کسی قیمت پر گوارہ نہیں کہ میں انہیں آپ کے سپرد کر دوں۔ یہ میری توہین اور بے عزتی ہے۔ اگر وہ میرے قدموں کے نیچے چھپے ہوتے تو میں اپنا قدم نہیں اٹھاتا۔ ابن زیاد نے انہیں زود وکوب کر کے زخمی کر دیا اور وہیں قید کر لیا۔ شہر میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے۔ ان کے گھر کی عورتیں یہ سن کر رونے لگیں۔ ان کے قبیلے کے لوگ قصر امارت کے پاس

آ کر کھڑے ہو گئے، وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ ہانی قتل کر دیئے گئے ہیں، ابن زیاد نے جب شور وشغب سنا تو قاضی شریح سے کہا جو اس وقت وہاں موجود تھے کہ آپ باہر جا کر لوگوں میں یہ اعلان کر دیجئے کہ امیر نے ہانی کو مسلم بن عقیل کے بارے میں تحقیق کرنے کے لیے روک لیا ہے، وہ زندہ ہیں، آپ لوگ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ مسلم بن عقیل نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وہ ہانی کے گھر سے باہر نکل گئے اور سواری پر سوار ہو کر ان لوگوں کو جمع کرنے لگے، جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور جن کی مجموعی تعداد اٹھارہ ہزار تھی، لیکن ان میں سے بہ مشکل چار ہزار افراد باہر آئے۔ باقی لوگوں کو بلایا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ بیعت کے وقت ہم سے یہ اقرار لیا گیا تھا کہ جب تک امام حسین نہ آجائیں، کسی سے جنگ نہیں کریں گے، لہذا آپ کو بھی ان کے آنے تک صبر کرنا چاہیے، مسلم بن عقیل نے بالآخر انہیں چار ہزار افراد کو لے کر قصر امارت اور ابن زیاد کا محاصرہ کر لیا، جس کے ساتھ اس وقت تیس چالیس آدمی تھے، اس کے علاوہ اس کے پاس حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا، یہ پولس کے آدمی اور کوفہ کے چند اشراف تھے، ابن زیاد نے ان کے ذریعہ سے اعلان کرایا کہ جو لوگ مسلم کے ساتھ ہیں، وہ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں، اور ان کے رشتہ داروں نے بھی آ کر انہیں سمجھانا شروع کیا کہ وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں، پولس والوں نے اعلان کیا کہ جو لوگ امیر کی اطاعت کریں گے وہ انعام واکرام سے نوازے جائیں گے اور جو مخالفت کریں گے انہیں سخت سزا دی جائے گی۔ کچھ لوگ اس دھمکی سے اور کچھ رشتہ داروں کے سمجھانے سے مسلم کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے اور صرف تیس چالیس آدمی مسلم کے ساتھ رہ گئے۔ مسلم نے ان کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، پھر یہ لوگ بھی رخصت ہو گئے اور وہ تنہا رہ گئے، بڑی گھبراہٹ محسوس ہوئی، اب ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا جو راستہ بتلاتا، اور ان کا جی بہلاتا اور اپنے گھر میں پناہ دیتا، رات تاریک ہو گئی وہ اکیلے راستے پر چکر لگاتے رہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں اور کہاں جائیں، بالآخر ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو "طوعہ" نامی ایک عورت نکلی جو اشعث بن قیس کی ام ولد تھی، جس کا ایک لڑکا اشعث کے علاوہ مرد سے تھا، جس کا نام بلال ابن اسید تھا، وہ لوگوں کے ساتھ نکلا تھا اور اس کی ماں دروازہ پر کھڑی ہو کر اس کا انتظار کر رہی تھی، مسلم بن عقیل نے اس عورت سے پانی پلانے کی درخواست کی تو اس نے انہیں پانی پلایا، اس کے بعد اس بوڑھی عورت نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب آپ اپنے گھر جائیں، اللہ آپ کو عافیت دے، مسلم نے اس سے کہا کہ میرا اس شہر میں نہ کوئی گھر ہے، نہ میرے اہل وعیال ہیں، پھر اپنا تعارف کرتے ہوئے کہا کہ میں مسلم بن عقیل ہوں، یہاں کے لوگوں نے مجھ سے جھوٹ کہا اور دھوکہ دیا، جب بوڑھی عورت کو پتہ چلا کہ یہ مسلم ہیں تو اسے ان پر ترس آیا، اور دوسرے گھر میں ان کے لیے بچھونا بچھایا اور رات کا کھانا پیش کیا، لیکن انہوں نے کھانا نہیں کھایا، اتنے میں اس کا وہ لڑکا آ گیا، اس کے اصرار پر عورت نے اسے مسلم کے بارے میں بتایا اور تاکید کر دی کہ کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرے، پھر رات بھر وہ بیٹا خاموشی کے ساتھ سوتا رہا۔

آگے ابن زیاد کا قصہ یہ ہے کہ جب وہ لوگ جو رات کو مسلم بن عقیل کے ہمراہ تھے، اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو وہ

کوفہ کے امراو اشراف کے ساتھ جو اس کے پاس تھے قصر امارت سے عشاء کے بعد نیچے اترا اور کوفہ کی جامع مسجد میں ان کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، نماز کے بعد اس نے لوگوں سے خطاب کیا اور کہا کہ وہ مسلم کو گرفتار کر کے اس کے پاس حاضر کریں اور کوئی انہیں اپنے گھر میں پناہ نہ دے، وہ جس کے گھر سے برآمد ہوں گے اس گھر کے لوگوں کو سخت سزا دی جائے گی اور جو انہیں گرفتار کر کے لائے گا اسے انعام دیا جائے گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی صبح گھروں کی تلاشی شروع کرادی، اس اعلان سے خوف زدہ ہو کر اس بوڑھی عورت کا لڑکا صبح سویرے عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کے پاس آیا اور انہیں بتادیا کہ مسلم ان کے گھر میں ہیں، عبدالرحمن کے والد محمد بن اشعث اس وقت ابن زیاد کے پاس تھے، عبدالرحمن نے آ کر اپنے والد کو چپکے سے بتادیا، ابن زیاد نے محمد بن اشعث سے پوچھا کہ تمہارے بیٹے نے چپکے سے تمہارے کان میں کیا بات کہی ہے، محمد بن اشعث نے اسے واقعہ کی اطلاع دے دی، ابن زیاد نے ان سے کہا کہ انہیں فوراً گرفتار کر کے لاؤ اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے عبدالرحمن اور عمر بن حریث مخزومی اور اسی گھوڑ سواروں کو مسلم بن عقیل کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔ ان سب نے جا کر اس مکان کا محاصرہ کرلیا، مسلم کو جب محسوس ہوا کہ اب بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو تلوار ہاتھ میں لے کر گھر سے باہر نکل آئے اور اکیلے پوری جماعت کا مقابلہ کرنے لگے اور زخموں سے چور ہو گئے تو عبدالرحمن اور عمر بن حریث نے ان سے کہا کہ اپنی جان ناحق کیوں ضائع کرتے ہیں؟ (یعنی اس طرح لڑنے کا انجام ہلاکت ہے اس لیے) آپ اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیں۔ میں ابن زیاد سے آپ کی جان بخشی کرادوں گا۔ چنانچہ عبدالرحمن نے جب انہیں امان دیا تو انہوں نے تلوار اپنے ہاتھ سے رکھ کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دیا، وہ لوگ ایک خچر لا کر انہیں اس پر سوار کیا اور ان کی تلوار پر بھی قبضہ کرلیا۔ اب وہ بالکل بے اختیار تھے اور انہیں محسوس ہوا کہ اب وہ قتل کئے جائیں گے، انہیں اپنی جان سے مایوسی ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور رونے لگے تو کسی شخص نے ان سے کہا کہ: جو شخص اس چیز کا طالب ہو جس کے آپ طالب ہیں، اس پر جان کی بن آتی ہے تو وہ رویا نہیں کرتا، انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی جان کے خطرہ سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد و متعلقین پر رونا آرہا ہے جو گذشتہ کل یا آج مکہ سے کوفہ کے لیے نکل چکے ہوں گے، پھر محمد بن اشعث سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر آپ ایسا کر سکتے ہوں کہ کسی قاصد کو بھیج کر امام حسین رضی اللہ عنہ کو یہ کہلا دیں کہ وہ جہاں تک پہنچے ہیں وہیں سے لوٹ جائیں، کوفہ والوں پر اعتماد نہ کریں، چنانچہ محمد بن اشعث نے اس حکم کی تعمیل کی اور آدمی بھیج کر انہیں کوفہ نہ آنے اور راستے ہی سے واپس جانے کا مشورہ دیا، لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ نے قاصد کی بات کی تصدیق نہیں کی اور یہ کہہ کر اپنا سفر جاری رکھا کہ اللہ کی جو مشیت ہے وہ پوری ہو کر رہے گی۔

پھر انہیں ابن زیاد کے دربار میں حاضر کیا گیا، جب وہ اس کے سامنے کھڑے ہوئے تو اسے سلام نہیں کیا، حارس نے کہا: آپ امیر کو سلام نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: نہیں، اگر وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے انہیں سلام کرنے کی حاجت نہیں ہے اور

اگر ان کا ارادہ قتل کرنے کا نہیں ہے تو میں انہیں بار بار سلام کروں گا، ابن زیاد نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: اے ابن عقیل! امت مسلمہ ایک پلیٹ فارم پر جمع تھی، ان میں اتحاد و اتفاق تھا، تم نے آ کر ان میں تفرقہ پیدا کرنے اور ان کے شیرازہ کو منتشر کرنے کی کوشش کی اور ایک دوسرے کو باہم قتل کرنے پر آمادہ کیا؟ مسلم بن عقیل نے جواب دیا: ہرگز نہیں، میں اس مقصد کے لیے نہیں آیا، بلکہ اس شہر والوں کا خیال تھا کہ آپ کے والد نے ان کے اچھے لوگوں کو قتل کیا اور ان کا خون بہایا اور ان کے ساتھ قیصر و کسریٰ جیسا سلوک کیا، اور ان کے طریقے کی پیروی کی، ہم تو اس لیے آئے ہیں کہ انہیں عدل و انصاف کا درس دیں اور اللہ کی کتاب کے احکام کی طرف بلائیں۔ اس کے علاوہ بھی ان دونوں کے درمیان کچھ نوک جھونک ہوتی رہی، مسلم بن عقیل نے ان کے سوالات کا اور الزامات کا ڈٹ کر جواب دیا اور پوری شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا اور اس سے بالکل مرعوب نہیں ہوئے۔ بالآخر ابن زیاد نے ان سے کہا کہ اگر میں تجھے قتل نہ کروں تو اللہ مجھے ہلاک کرے، پھر جب ابن زیاد نے ان سے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے قوم کے کسی فرد کو تنہائی میں کچھ وصیت کرنی چاہی، ابن زیاد نے اس کی اجازت دے دی تو انہوں نے مجلس میں موجود لوگوں پر ایک نگاہ ڈالی، ان میں عمرو بن سعد ابن ابی وقاص بھی تھے، جو ان کے قریبی رشتہ دار اور اموی حکام میں تھے، ان سے مخاطب ہو کر کہا: اے عمرو! میرے اور تمہارے درمیان رشتہ داری ہے اور مجھے اس وقت تمہاری ضرورت ہے، ایک راز کی بات تم سے کہنی ہے، اس محل کے کسی کنارے آؤ تا کہ میں وہ بات تم سے کہہ سکوں، ابن زیاد نے عمر کو اس کی اجازت دے دی تو ابن زیاد سے کچھ فاصلہ پر عمرو کھڑے ہو گئے، مسلم نے ان سے کہا کہ کوفہ کے لوگوں کا سات سو درہم مجھ پر قرض ہے تم انہیں میری طرف سے ادا کر دو اور میرا گمان ہے کہ امام حسین مکہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں، اس لیے کہ میں نے انہیں یہ خط لکھا تھا کہ اہل کوفہ ان کے ساتھ ہیں، اس لیے وہ جلدی سے یہاں آجائیں۔ تو حسین کو میرے انجام کی خبر دے دو اور انہیں یہاں آنے سے روک دو۔ عمر نے آ کر ابن زیاد کے سامنے وہ باتیں دہرا دیں، ابن زیاد نے انہیں ان کی ساری باتوں پر عمل کرنے کی اجازت دے دی، پھر مسلم بن عقیل کے بارے میں حکم دیا کہ انہیں قصر امارت کی چھت پر لے جا کر لوگوں کے سامنے قتل کیا جائے، چنانچہ انہیں چھت پر چڑھایا گیا اور وہ تکبیر و تہلیل اور تسبیح و استغفار اور اللہ کے فرشتوں پر درود پڑھتے ہوئے اوپر چڑھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے درمیان اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے، جنہوں نے ہمیں دھوکہ دیا اور ہماری مدد سے ہاتھ اٹھالیا، پھر ان کی گردن مار کر محل سے نیچے ان کا سر پھینک دیا گیا، پھر ان کا باقی جسم بھی نیچے پھینکا گیا، اسی طرح ہانی بن عروہ مدلجی کی گردن بھی ماری گئی اور انہیں کوفہ کے ایک کناسہ نامی مقام میں سولی دی گئی، ابن زیاد نے ان دونوں کے علاوہ کچھ اور لوگوں کو قتل کیا، پھر مسلم اور ہانی کے سر کو یزید بن معاویہ کے پاس شام بھیجا۔

یہاں پر ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ عبدالرحمن بن محمد نے مسلم کو امن دیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ وہ ابن زیاد سے کہہ کر ان کی جان بخشی کرا دے گا، اور اس نے اپنے وعدہ کے مطابق ابن زیاد سے کہا کہ میں انہیں امان دے چکا ہوں لیکن

ابن زیاد نے اسے قبول نہیں کیا اور انہیں ڈانٹ کر کہا کہ میں نے تو تمہیں انہیں گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا تمہیں امان دینے کا کیا حق تھا؟

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ معظمہ سے کوفہ کی طرف روانگی :

اوپر گذر چکا ہے کہ مسلم بن عقیل نے جب کوفہ کے حالات سازگار دیکھے تو انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر حالات سے مطلع کیا اور جلد کوفہ آنے کی درخواست کی تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے سفر کی تیاری شروع کر دی اور کوفہ میں ابن زیاد کی آمد کے بعد جو حالات خراب ہوئے اور ان کے نمائندے مسلم بن عقیل جس بے دردی کے ساتھ شہید کئے گئے اس کی کوئی اطلاع حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو نہیں ہوسکی، چنانچہ وہ آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوئے جب کہ مسلم بن عقیل اس سے ایک دن بعد یعنی نویں ذی الحجہ کو ٹھیک حج کے دن کوکوفہ میں قتل کئے گئے، جب مکہ مکرمہ میں خبر مشہور ہوئی کہ حضرت امام حسین کوفہ روانہ ہو رہے ہیں، تو لوگوں کو ان کی جان کا خطرہ محسوس ہوا، چنانچہ ان کے عقیدت مندوں اور بہی خواہوں نے انہیں سختی سے روکا اور اس اقدام سے باز رکھنا چاہا اور مکہ معظمہ ہی میں مستقل طور پر قیام کرنے کا مشورہ دیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا کہ لوگوں کو اس خبر سے سخت تشویش ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں، آپ ہمیں بتائیے کہ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ حضرت امام نے جواب دیا کہ میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اگلے دو دنوں میں سے کسی دن یہاں سے ان شاء اللہ نکل جاؤں گا، مسلم بن عقیل کے خط سے معلوم ہوا کہ وہاں کے حالات اطمینان بخش ہیں، اٹھارہ ہزار لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، اس سے قبل اہل کوفہ کے ڈیڑھ سو خطوط میرے پاس آچکے ہیں اور شرفاء کوفہ کے نمائندوں نے آکر ان کا پیغام پہنچایا ہے، اس لیے اب کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے، حضرت ابن عباسؓ نے ان سے فرمایا کہ اگر انہوں نے وہاں یزید کے حاکم کو قتل کر کے اور دشمنوں کو نکال باہر کر کے خزانہ پر قبضہ کر لیا ہے اور شہر ان کے کنٹرول اور قبضہ میں ہے تو آپ وہاں ضرور جائیں، لیکن اگر صورت حال یہ نہیں ہے بلکہ یزید کا حاکم زندہ ہے اور ان کے درمیان اقامت پذیر ہے اور وہاں اس کی حکمرانی ہے، فوج اور خزانہ اس کے قبضے میں ہے تو یقین جانیں کہ انہوں نے آپ کو فتنہ وفساد کے لیے اور لڑنے کے لیے بلایا ہے، جب ان لوگوں میں یزید کے گورنر کو وہاں سے نکالنے کی جرأت نہیں ہے اور شہر پر اس کا قبضہ ہے تو وہ انہیں خوف دلا کر جب چاہے گا اپنے مقصد کے لیے استعمال کرے گا اور ممکن ہے کہ یہی لوگ جو آپ کو بلا رہے ہیں کل یزید کی طرف سے آپ سے لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں اور میدان میں اتر آئیں اور آپ کو بے یارومددگار چھوڑ دیں، امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں استخارہ کروں گا، اسی طرح کا مشورہ ان سے محبت اور ہمدردی رکھنے والے دیگر مخلصین مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمن بن حارث اور عمرو بن سعد بن العاص رضی اللہ عنہم وغیرہ نے بھی دیا۔

اگلے دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: اے ابن عم! اس طرف

جانے میں مجھے آپ کی جان کا ڈر ہے، عراق کے لوگ غدار اور بے وفا ہیں، آپ ان سے دھوکہ نہ کھائیں، آپ ابھی مکہ ہی میں ٹھہریں، یہاں تک کہ اہل عراق اپنے دشمنوں کو وہاں سے نکال دیں، پھر آپ وہاں جائیں، لیکن اگر آپ نے یہاں سے جانے ہی کا فیصلہ کرلیا ہے تو عراق کے بجائے یمن جائیں، وہ ایک الگ تھلگ مقام ہے، وہاں قلعے اور گھاٹیاں ہیں، وہاں آپ کے والد کے حامی خیر خواہ لوگ ہیں اور ہر طرح کی حفاظت کا سامان موجود ہے، لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر اپنی خلافت کی کوشش کریں، اپنے قاصدوں کے ذریعہ پیغام رسانی کا کام کریں، اس طرح آپ کو کامیابی مل سکتی ہے، حضرت امام حسین نے جواب دیا: اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ میرے مشفق اور خیر خواہ ہیں لیکن میں نے جانے کا پختہ عزم کرلیا ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اگر جانا ہی ہے تو اللہ کے واسطے اپنے بچوں اور عورتوں کو ساتھ نہ لے جائیں، اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے اہل وعیال کے روبرو قتل نہ کئے جائیں۔ اور وہ دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر غلام باندی نہ بنالئے جائیں۔ لیکن مخلصین اور بہی خواہوں کی تمام کوششیں رائگاں گئیں اور آپ شروع ذی الحجہ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے، اس لیے کہ اللہ کی مشیت کچھ اور تھی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ جب مکہ سے روانہ ہو رہے تھے اس وقت بھی حضرت عبداللہ بن عباس اور دوسرے بہت سے مخلصین نے آپ کو روکنے کی کوشش کی، ابن عباسؓ نے یہاں تک فرمایا کہ میں آپ کے اونٹ کے آگے لیٹ جاتا کہ وہ مجھ کو کچلے بغیر آگے نہ بڑھ سکے، لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ پھر بھی نہیں رکیں گے۔ آپ کا قافلہ جس میں کل ساٹھ ستر افراد تھے، کچھ آگے بڑھا تو آپ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی عبداللہ بن جعفرؓ کا خط پہنچا جو انہوں نے مدینہ منورہ سے اپنے دونوں صاحبزادے محمد اور عون کے ہاتھ روانہ کیا تھا، جس میں انہوں نے کوفہ کے سفر سے سختی کے ساتھ منع کیا تھا، اس کے ساتھ والی مدینہ کا خط بھی تھا، جس میں انہوں نے انہیں مدینہ آکر رہنے کی دعوت دی تھی اور امان دیا تھا، لیکن آپ نے کسی کی بات نہیں مانی اور عبداللہ بن جعفرؓ کے خط کے جواب میں انہیں لکھا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے اور آپ نے مجھے ایک چیز کا حکم دیا ہے اور میں اس کی تعمیل کروں گا، اور میں کسی کو اس سے مطلع کرنے والا نہیں ہوں، جب تک کہ اسے عملی جامہ نہ پہنا دوں۔

فكتب إليه الحسين : إني رأيت رويا، ورأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أمرني بأمرو أنا ماض له، ولست بمخبر بها أحدا حتى ألاقى عملي— (البداية والنهاية:۱۶۳/۸) وفي رواية حتى القى ربي عزوجل— (حوالہ سابق، ص:۱۶۷)

بہر حال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت قضاء وقدر میں طے تھی، اس لیے ان کو روکنے کی کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی، کچھ آگے بڑھنے کے بعد مقام صفاح میں مشہور عربی شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی جو کوفہ سے آرہے تھے، ان سے آپ نے

وہاں کے احوال دریافت کئے تو انہوں نے بتایا کہ اہل کوفہ کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔

یزید کو اپنے حاکموں اور عاملوں کے ذریعہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے مکہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہونے کی خبر ہوگئی، اس نے حاکم کوفہ ابن زیاد کو اس کی خبر دی، ابن زیاد نے امام حسین کو کوفہ پہنچنے سے روکنے کے لیے سخت انتظامات کئے اور کوفہ کے تمام راستوں پر پہرے بٹھادیئے۔ امام حسین جب بطن ذی الرمہ مقام پر پہنچے تو اپنے ایک قاصد قیس بن مسہر صیداوی کو کوفہ کے حالات کی خبر لانے کے لیے اہل کوفہ کے نام خط لکھ کر کوفہ روانہ کیا، جس میں یہ تحریر فرمایا کہ ''مجھے مسلم بن عقیل کا خط ملا جس میں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ آپ سب لوگ میری نصرت پر متفق ہیں، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ اچھا معاملہ کرے اور آپ حضرات کو اجر عظیم عطا کرے، میں مکہ سے یوم الترویہ (۸/ذی الحجہ) کو روانہ ہو چکا ہوں، میرا قاصد جب آپ کے پاس پہنچے تو آپ اس معاملہ کو مخفی رکھیں، ان شاء اللہ میں چند دنوں میں آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں''۔ قیس بن مسہر صیداوی حضرت امام حسین کا خط لے کر کوفہ روانہ ہوئے، جب وہ قادسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر نے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا، ابن زیاد نے ان سے کہا کہ اس محل کی چھت پر چڑھ کر علی بن ابی طالبؓ اور ان کے بیٹے حسینؓ کو برا بھلا کہو، انہوں نے چھت پر چڑھ کر پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ حسین بن علیؓ اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں، میں ان کا قاصد بن کر آپ کے پاس آیا ہوں، میں بطن ذی الرمہ سے ان سے جدا ہوا ہوں، آپ ان کی بات سنیں اور مانیں، پھر ابن زیاد اور اس کے باپ کو برا بھلا کہا، تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ انہیں چھت سے نیچے پھینک دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، جس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ حضرت امام حسینؓ کو اب تک کوفہ کے حالات کی کوئی خبر نہیں تھی۔ پھر اگلی منزل میں اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن یقطر کو اسی مضمون کا خط دے کر حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا اور ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔

پھر جب یہ قافلہ مقام ثعلبہ پہنچا تو پتہ چلا کہ مسلم بن عقیل شہید کر دیئے گئے اور اب وہاں کوئی بھی امام حسین کا حمایتی نہیں ہے۔ پورے شہر کوفہ پر ابن زیاد کا تسلط ہے۔ اس اندوہناک خبر سے تمام لوگوں پر مایوسی طاری ہوئی اور واپسی کا ارادہ ہونے لگا، لیکن مسلم بن عقیل کے بیٹوں اور بھائیوں نے واپسی سے انکار کیا اور کہا کہ یا تو ہم کوفہ والوں سے مسلم کے خون کا بدلہ لیں گے یا لڑ کر خود بھی جان دے دیں گے اور کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مسلم کی طرح نہیں ہیں، کوفہ والوں نے انہیں بلایا ہے، جب وہ انہیں دیکھیں گے، تو مروت میں آ کر ضرور ان کا ساتھ دیں گے اور ابن زیاد کو گرفتار کرلیں گے، چنانچہ قافلہ کا سفر جاری رہا، کچھ آگے بڑھے تو مسلم کی وصیت کے مطابق عمرو بن سعد اور محمد بن اشعث کے قاصد ملے، جنہیں انہوں نے امام حسین کو کوفہ آنے سے روکنے کے لیے بھیجا تھا، ان سے مزید تفصیلات کا علم ہوا تو امام حسین نے قافلہ والوں کو صورت حال سے مطلع کرتے ہوئے کہا کہ اہل کوفہ نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے، اس لیے جو لوگ واپس ہونا چاہیں وہ خوشی

سے لوٹ جائیں، اس اعلان کے بعد اکثر لوگ راستے لوٹ گئے، صرف وہ اہل خاندان اور جاں نثار باقی رہ گئے، جو مکہ سے ساتھ چلے تھے اور جن کی مجموعی تعداد ستّر اسّی کے قریب تھی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنا قافلہ لے کر آگے بڑھے اور مقام شرف پہنچے، اس سے ذرا آگے بڑھے تو مقام ذی حسم میں حر بن یزید تمیمی سے ملاقات ہوئی، جسے ابن زیاد نے ایک ہزار لشکر کے ساتھ مقدمۃ الجیش کے طور پر بھیجا تھا، تاکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو گھیر کر اس کے پاس لائیں، جب دوپہر کا وقت ہوا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حجاج بن مسروق جعفی کو ظہر کی اذان دینے کا حکم دیا، اذان کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نماز کے لیے نکلے، اپنے لوگوں کے علاوہ مخالفین کا مجمع بھی تھا، آپ نے ان سب سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ میں یہاں خود نہیں آیا ہوں، بلکہ تمہارے بلانے پر آیا ہوں، اہل کوفہ نے خط لکھا تھا کہ یہاں ان کا کوئی امام نہیں ہے، اگر آپ یہاں آجائیں تو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور دشمنوں سے لڑیں گے، اگر تم لوگ اپنے عہد پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر چلوں گا، ورنہ یہیں سے لوٹ جاؤں گا، پھر امام حسین رضی اللہ عنہ نے حر سے کہا کہ چلو نماز پڑھاؤ، اس نے آگے بڑھنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ امامت کریں، ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے، چنانچہ حضرت امام حسینؓ نے انہیں نماز پڑھایا پھر اپنے خیمہ میں داخل ہو گئے اور ان کے اصحاب ان کے پاس اکٹھا ہو گئے، حر اپنے لشکر کی طرف گیا، پھر عصر کا وقت ہوا تو حضرت امام حسینؓ نے ہی انہیں نماز پڑھائی، پھر ان سے خطاب فرمایا اور انہیں سمع وطاعت پر ابھارا اور عہد شکنی اور وعدہ خلافی سے منع کیا اور ان خطوط کا واسطہ دیا جو اہل کوفہ نے ان کے پاس بھیجے تھے، حر نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ وہ خطوط کیا ہیں اور کس نے انہیں بھیجا ہے؟ حضرت امام حسینؓ نے وہ تمام خطوط حر کے سامنے پیش کر دئے اور کچھ کو پڑھ کر سنایا، حر نے کہا نہ ہم نے یہ خطوط بھیجے ہیں، نہ ہمارا ان سے کوئی تعلق ہے۔ ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ جہاں آپ ملیں ہم آپ کو حراست میں لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں، امام حسینؓ نے فرمایا کہ یہ ذلت تو کسی قیمت پر گوارہ نہیں ہے کہ ابن زیاد کے پاس قید ہو کر جائیں، اس سے تو مرنا ہی بہتر ہے، اس کے بعد آپ نے واپس ہونے کا ارادہ کیا تو حر نے روکا اور راستے میں اپنی فوج لے کر کھڑا ہو گیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے شمال کی طرف کوچ کیا اور قادسیہ کے قریب پہنچے، وہاں پتہ چلا کہ عمرو بن سعد چار ہزار فوج کے ساتھ مقیم ہے، حر بھی آپ کے پیچھے چل رہا تھا، قادسیہ سے دس میل کے فاصلے پر کربلا ہے وہاں آکر آپ مقیم ہو گئے، عمرو بن سعد بھی سراغ لگاتا ہوا اپنی فوج کے ساتھ اگلے دن کربلا پہنچ گیا۔ وہاں وہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے تنہائی میں ملا اور کہا :

بے شک آپ یزید کے مقابلے میں خلافت کے زیادہ مستحق ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہے کہ آپ کے خاندان میں حکومت وخلافت آئے۔ اگر آپ حکومت کے خیال کو دل سے نکال دیں تو بڑی آسانی سے آزاد ہو سکتے ہیں، ورنہ تو آپ کی جان کا خطرہ ہے اور ہم لوگ آپ کی گرفتاری پر مامور ہیں۔

اس طرح دونوں میں دیر تک باتیں ہوئیں، امام حسینؓ نے ابن سعد کے سامنے تین باتیں پیش کیں :

بل سأل منه اما ان يذهبا إلى يزيد، اويتركه يرجع إلى الحجاز او يذهب إلى بعض الثغور فيقاتل الترك، فكتب عمر الى عبيد الله بذلك، فقال: نعم! قد قبلت، فقام الشمر بن ذي الجوشن فقال: لا والله حتى ينزل على حكمك هو وأصحابه۔ (البداية والنهاية:۸/۱۷۵)

پہلی بات یہ تھی کہ مجھے اجازت دے دو کہ میں یزید سے براہِ راست مل کر کوئی بات طے کرلوں، دوسرے یہ کہ مجھے دوبارہ حجاز لوٹ جانے دو، تاکہ میں یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں لگ جاؤں، تیسرے یہ کہ مجھے سرحد کی طرف جانے دو، تاکہ میں اہل ترک کفار سے لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔ عمرو بن سعد نے ابن زیاد کو خط لکھ کر امام حسین رضی اللہ عنہ کی تجویز سے آگاہ کیا، ابن زیاد شروع میں ان باتوں پر رضامند ہوگیا تھا لیکن شمر بن ذی الجوشن جو اس کے پاس تھا، اس نے اس رائے کی مخالفت کی، اور ابن زیاد سے کہا کہ آپ ان میں سے کوئی شرط قبول نہ کریں، بلکہ انہیں مجبور کریں کہ وہ اور ان کے اصحاب آپ کے فیصلے کو قبول کرلیں، عمرو بن سعد حضرت سعد بن ابی الوقاصؓ کا بیٹا تھا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بھی رشتہ دار تھا، اس کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح مصالحت کی صورت نکل آئے اور جنگ کی نوبت نہ آئے، لیکن شمر ذی الجوشن کی مداخلت سے معاملہ بگڑ گیا، بالآخر ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو یہی لکھا کہ یہ باتیں قابل قبول نہیں ہیں، صرف ایک صورت ہے، وہ یہ کہ امام حسین اپنے آپ کو ہمارے سپرد کردیں اور یزید کی بیعت نیابتاً میرے ہاتھ پر کرلیں، ابن سعد نے امام حسین کو ابن زیاد کے جواب سے مطلع کیا اور کہا میں اس حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں، امام حسین کسی طرح اس بات پر آمادہ نہ تھے کہ وہ ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کی خلافت کی بیعت کریں، اب جنگ کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا، عمرو بن سعد اس کے بعد بھی مفاہمت کے لیے کوشاں رہا، وہ دل سے نہیں چاہتا تھا کہ مسلمانوں میں خونریزی اور قتل وقتال ہو، لیکن اس کی دوسری مجبوری یہ تھی یزید کی طرف سے وہ ''رے'' کا حاکم تھا، دنیاوی مفاد کے پیش نظر اس نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف اس مہم کو قبول کرلیا تھا، لیکن اس کا دل اسے برابر ملامت کررہا تھا۔ پھر جاسوسوں کے ذریعہ ابن زیاد کو حالات کا علم ہوا تو اس نے عمرو بن سعد کے نام سخت قسم کا خط لکھا اور ساتھ ہی شمر ذی الجوشن کو بھی بھیجا اور ابن سعد کو حکم دیا کہ میں نے تمہیں امام حسین سے بیعت لینے یا انہیں گرفتار کرکے میرے پاس لانے کا حکم دیا تھا، ان سے دوستانہ تعلقات بڑھانے اور انہیں مہلت دینے کے لیے نہیں بھیجا تھا، اب یا تو تم انہیں فوری طور پر گرفتار کرکے میرے پاس لاؤ، یا ان کے خلاف جنگ چھیڑ دو اور ان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجو اور اگر تم سے یہ نہیں ہوسکتا ہے تو تم فوج کو شمر ذی الجوشن کے سپرد کردو اور تم میرے پاس آجاؤ۔ ابن سعد کے لیے یہ حکم بہت گراں تھا، لیکن رے کی حکومت کا چھوڑنا بھی اسے گوارہ نہیں تھا، بالآخر بادل ناخواستہ وہ امام حسینؓ سے جنگ کے لیے تیار ہوا، آٹھ محرم ۶۱ھ کو ابن زیاد کی طرف سے نیا حکم آیا کہ امام حسین اور ان کے اہل قافلہ کا پانی بند کردیا جائے اور فوری طور پر جنگ شروع کردی جائے۔ عمرو بن سعد نے اس حکم کی

تعمیل میں عمرو بن الحجاج کو پانچ سوسواروں کے ساتھ دریائے فرات کے ساحل پر پہرہ بٹھادیا کہ امام حسینؓ کے لوگ دریا سے پانی نہ لے سکیں، دن کو امام حسین کے ساتھیوں نے پانی نہیں بھرا تھا، ان کے برتن خالی تھے، حضرت امام حسینؓ کے سوتیلے بھائی عباس بن علی بڑے بہادر تھے، آپ نے انہیں پچاس آدمیوں کے ساتھ بھیجا کہ کچھ پانی لائیں، مگر وہاں پہرہ بہت سخت تھا، پھر بھی وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جا کر تھوڑا پانی زبردستی لے آئے، مگر وہ پورے قافلہ کے لیے کافی نہ تھا، مخالفین کی طرف سے ظلم کی انتہا ہوگئی کہ پانی جو مباح الاصل ہے اور شاید ہی کبھی کسی دشمن نے دشمنی میں کسی کا پانی بند کیا ہو، خاندان نبوت اور اہل بیت کے لیے وہ پانی بند تھا، دریائے فرات سے چرند پرند، حیوانات، کتے اور خنزیر سب پانی پی رہے تھے، لیکن نواسۂ رسول اور ان کے متعلقین کو اس سے پینے کی اجازت نہیں تھی۔

۹ رمحرم الحرام کو شمر بن ذی الجوشن عمرو بن سعد کے نام خط لے کر آیا، اس میں یہ حکم تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کا مطالبہ کرو، اگر وہ انکار کریں تو فوراً جنگ شروع کردو، عمرو بن سعد اور شمر نے آکر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ابن زیاد کا حکم پہنچادیا، حضرت امام نے رات بھر کے لیے جنگ کو ملتوی کرنے کو کہا جسے ان دونوں نے منظور کرلیا، پھر دونوں فریق اپنے لشکر گاہ کو واپس چلے آئے، امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے قافلہ والوں سے کہا کہ میں تمہیں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ تم اپنے گھروں کو واپس ہوجاؤ، دشمن صرف میرے خون کے پیاسے ہیں، انہیں میری ذات سے مطلب ہے، تم اپنی جانوں کو ہلاکت میں مت ڈالو، واپس چلے جاؤ، اہل بیت کو بھی ساتھ میں لے جاؤ، ہمرائیوں نے کہا ہم ہرگز آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے ہیں، اور تنہا آپ کو دشمنوں کے نرغے میں نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو کل قیامت کے دن اللہ اور اس کے رسول کو کیا منھ دکھلائیں گے؟ آپ حق پر ہیں، ہم سب آپ پر قربان ہوجائیں گے، آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔ خود ان کے سوتیلے بھائی عباس بن علیؓ نے کہا: آپ کو کھونے کا دن اللہ ہمیں نہ دکھلائے، نہ آپ کے بعد ہمیں جینے کی تمنا ہے۔

۹ رمحرم کی شام کی بات ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے خیمے کے سامنے تلوار لیے بیٹھے تھے کہ ان پر غنودگی طاری ہوئی اور ان کا سر نیچے جھک گیا، ان کی بہن زینب نے ان کے سونے کی آواز سنی تو ان کے قریب جا کر انہیں بیدار کیا، پھر وہ سنبھل کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ "إنك تروح إلينا" یعنی تم میرے پاس آنے والے ہو۔ یہ سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے سمجھ لیا کہ آپ کی شہادت کا وقت قریب ہے، چنانچہ ان پر گریہ طاری ہوگیا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے انہیں تسلی دی، اور بہن نے جو کہا تھا "یاویلتنا" ہائے ہماری تباہی، تو اس کے جواب میں امام حسینؓ نے فرمایا: "ليس لك الويل يا أخته: اسكني رحمك الرحمن" (البداية والنهاية: ۱۷۶/۸) اے بہن! تیرے لیے تباہی نہیں ہے، سکون سے رہو، رحمان تم پر رحم کرے۔

اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے علی جو زین العابدین کے نام سے مشہور ہیں، فرماتے ہیں :

"انی لجالس تلك العشیة التی قتل اُبی فی صبیحتها، و عمتی زینب تمرضنی إذا اعتزل ابی فی خبائه و معه أصحابه... وأبی یقول :

یا دهـر أف لـك من خلیـل ۞ كم لك بالأشراق والأصـیل
من صاحب أو طالـب قتیـل ۞ والـدهر لا یقنـع بالبـدیل
وإنمـا الأمـر إلی الجلیـل ۞ وكل حیی سالك السـبیل

"فأعادها مرتین أو ثلاثا حتی حفظتها و فهمت ماأراد، فخنقتنی العبرة فرددتها، ولزمت السكوت و علمت أن البلاء قدنزل، واماعمتی فقامت حاسرة حتی انتهت إلیه، فقالت: واثكلاه!! لیت الموت اعدمنی الحیاة الیوم، ماتت أمی فاطمة و علیّ أبی، وحسن أخی، یاخلیفة الماضی، وثمال الباقی فنظر إلیها وقال: یا أخیّه، لایذهبن حلمك الشیطان، فقالت: یأبی أنت وأمی یا اباعبدالله، استقتلت؟ ولطمت وجهها وشقت جیبها وخرت مغشیا علیها، فقام إلیها فصب علی وجهها الماء وقال: یاأخیه! اتقی الله واصبری و تعزی بعزاء الله، واعلمی أن اهل الارض یموتون، وأن أهل السماء لایبقون، وأن كل شیئ هالك إلا وجهه، الله الذی خلق الخلق بقدرته، ویمیتهم بقهره و عزته ویعیدهم فیعیدونه وحده، وهو فرد وحده، واعلمی أن أبی خیر منی، وأمی خیر منی وأخی خیر منی ولی ولهم ولكل مسلم برسول الله اسوة حسنة، ثم خرج إلی أصحابه فأمرهم أن لاتفعل شیئا من هذا بعد مهلكه۔"

ترجمہ : حضرت زین العابدین بن حسین فرماتے ہیں کہ میں اس شام کو جس کی صبح میرے والد شہید کئے گئے (اپنے خیمے میں) بیٹھا ہوا تھا اور میری پھوپھی زینبؓ میری تیمارداری کر رہی تھیں کہ اتنے میں میرے والد اپنے چند اصحاب کے ساتھ خیمے میں داخل ہوئے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے، اور دو تین مرتبہ انہوں نے ان اشعار کا اعادہ کیا یہاں تک کہ وہ مجھے یاد ہو گئے اور میں نے سمجھ لیا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں، میں نے ان اشعار کو دوہرایا، پھر خاموشی اختیار کر لی اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہم پر بلا نازل ہونے والی ہے، لیکن میری پھوپھی ضبط نہ کر سکیں، (کیوں کہ عورتیں زیادہ رقیق القلب ہوتی ہیں) وہ چلّا اٹھیں، ہائے حسرت، ہائے مصیبت، کاش کہ موت نے آج میری زندگی کا خاتمہ کر دیا ہوتا، میری ماں فاطمہ، میرے باپ علی، میرے بھائی حسن یہ سب اللہ کو پیارے ہو گئے، اے اسلاف کے جانشین اور ان کی یادگار!

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بہن کی طرف دیکھ کر فرمایا: اے بہن! یہ کیسی بے صبری اور کیسا جزع فزع ہے؟ اللہ سے ڈرو کہ موت یقینا ایک آنے والی چیز ہے، اس سے کوئی بچ نہیں سکتا، حضرت زینب نے کہا: اے ابوعبداللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا آپ نے شہادت کو طلب کر لیا ہے؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا شدت غم سے مضطر تھیں، وہ دیکھ رہی تھیں کہ آنے والی صبح کن واقعات خونیں کے ساتھ طلوع ہو گی، فرط غم میں انہوں نے اپنا چہرہ پیٹ لیا، گریبان پھاڑ ڈالا اور

بے ہوش ہو کر گر پڑیں، حضرت امام حسین ان کی طرف بڑھے اور ان کے منہ پر پانی ڈالا، جب ہوش میں آئیں تو فرمایا: بہن اللہ سے ڈرو اور صبر کرو، اللہ کے حکم کے مطابق جو عزا اور حزن وغم ہے اسے اختیار کرو اور جان لو کہ زمین والے مر جائیں گے، آسمان والے باقی نہیں رہیں گے، اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، وہ اللہ جس نے اپنی قدرت سے مخلوقات کو پیدا کیا، اور وہ انہیں اپنے قہر سے موت دے گا، پھر انہیں زندہ کرے گا، تو وہ تنہا اسی کی عبادت کریں گے اور اس کی ذات منفرد ہے، جان لو کہ میرے باپ، میری ماں، میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے، اور میرے لیے اور ان کے لیے ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ ہے، پھر اپنے ساتھیوں کی طرف گئے، انہیں یہ نصیحت کی کہ وہ ان کی شہادت کے بعد (سنت رسول کے خلاف) کوئی کام نہ کریں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اور آپ کے اصحاب نے پوری رات (جو عاشورہ کی رات تھی) نماز میں دعاء و مناجات میں، گریہ وزاری اور استغفار میں گذار دی، جب کہ دشمن کے گھوڑے ان کے ارد گرد چکر لگا رہے تھے، ایسے جانکاہ موقع پر بہن کی جزع فزع کو گوارہ نہ کیا اور انہیں صبر کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو اختیار کرنے کی تلقین کی۔

شہادت کی صبح :

دسویں محرم عاشوراء کے دن جو جمعہ کا دن تھا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو نماز صبح پڑھائی، جن کی کل تعداد بہتّر تھی، ۳۲ رگھوڑسوار تھے اور ۴۰ ر پاپیادہ، اسی طرح عمرو بن سعد نے اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھائی، دشمنوں کی فوجیں مسلح ہو کر میدان جنگ میں آنے لگیں، پھر دونوں فریق میدان جنگ میں صف آراء ہوئے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بہتّر جاں نثاروں کو مرتب کیا اور انہیں مناسب مقامات پر کھڑا کر کے انہیں کچھ وصیت کی، میمنہ پر زہیر بن قیس کو اور میسرہ پر حبیب بن مظہر کو متعین کیا، اور اپنے سوتیلے بھائی عباس بن علیؓ کو علم دیا اور زنانہ خیمہ کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد کی، جنگ شروع ہونے سے قبل شمر بن ذی الجوشن نے اپنے چار بھانجوں (عبیداللہ، جعفر، عباس اور عثمان) کو جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بیٹے اور حضرت امام حسین کے سوتیلے بھائی تھے اور ان کے قافلہ میں شامل تھے، انہیں پکار کر کہا کہ ہم نے تم سب کے لیے امیر ابن زیاد سے امان لے لیا ہے، تم ہمارے ساتھ آجاؤ، لیکن وہ سب حضرت امام کے مخلص اور دست راست تھے، اس لیے انہوں نے امان قبول نہ کیا اور کہا کہ ابن زیاد کی امان سے اللہ کی امان بہتر ہے، شمر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور قرآن کریم لے کر اسے آگے رکھا، پھر اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائی، پھر قوم کی طرف متوجہ ہو کر خطاب فرمایا :

''اے لوگو! نصیحت کی بات جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو، پھر آپ نے حمد وصلاۃ کے بعد نصیحت کرنی شروع کی تو اہل بیت کے خیمہ سے عورتوں کے رونے کی آواز سنائی دی، تو آپ نے اپنا خطاب موقوف کر کے فرمایا کہ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے سچ کہا تھا کہ عورتوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں، بلکہ انہیں مکہ ہی میں چھوڑ دیں لیکن مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے ان کے مشورہ پر عمل نہیں کیا، پھر اپنے بھائی عباس کو بھیج کر انہیں خاموش کرایا اور کوفیوں سے اپنی فضیلت وعظمت اور خاندانی شرافت کا ذکر فرمایا اور کہا تم اپنا محاسبہ کرو کہ کیا تمہارے لیے مجھ جیسے آدمی سے قتال کرنا درست ہے؟ میں تمہارے نبی کا نواسہ ہوں، اس روئے زمین پر اس وقت میرے سوا کوئی نبی کا نواسہ نہیں ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ میرے والد ہیں، جعفر طیار میرے چچا ہیں اور سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ میرے والد کے چچا ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں اور میرے بڑے بھائی حسنؓ کے بارے میں فرمایا کہ یہ دونوں اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں، اگر تم میری تصدیق کرو تو بڑی اچھی بات ہے اور یہ حق ہے، اللہ کی قسم میں نے جب سے یہ سنا کہ جھوٹ سے اللہ ناراض ہوتا ہے، جان بوجھ کر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اصحاب جابر بن عبداللہ، ابوسعید، سھل بن سعد، زید بن ارقم اور انس بن مالک وغیرہ موجود ہیں، تم ان سے پوچھ لو وہ میری تصدیق کریں گے، کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے، میرا خون بہانا تمہارے لیے کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ میں نے زندگی میں کبھی کوئی ایسا گناہ نہیں کیا، جس سے کسی مومن کا خون حلال ہوتا ہے، تم نے خط لکھ کر مجھے مکہ سے بلایا، اور جب میں یہاں آیا تو تم اپنے عہد سے پھر گئے، اگر تم اپنی بات پر قائم نہیں ہو تو مجھے آزاد چھوڑ دو کہ جہاں سے آیا ہوں اسی پرامن شہر کی طرف لوٹ جاؤں گا"۔

اس تقریر کے جواب میں خاموشی رہی، قیس بن اشعث نے کہا کہ اپنے ابن عم کی بیعت کرلو، تمہاری ہر خواہش کا احترام کیا جائے گا، حضرت امام نے فرمایا: واللہ میں ایسی غیر شرعی اور ذلت کی بیعت نہیں کرسکتا، اللہ کا شکر ہے کہ میں نے تم پر حجت پوری کردی اب تم کوئی عذر نہیں پیش کرسکتے، اسی طرح کی تقریر آپ کے جاں نثار ساتھیوں نے بھی کی لیکن عراقیوں پر آپ کی تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا، ہاں یہ ضرور ہوا کہ حر بن یزید تیمی عراقیوں سے الگ ہو کر ایک جماعت کے ساتھ آکر آپ کے ساتھ شامل ہوگیا، یہ وہی حر تھا جسے ابن زیاد نے مقدمۃ الجیش کے طور پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قافلہ کو گھیرنے کے لیے بھیجا تھا اور جب امام حسین واپس ہونا چاہ رہے تھے تو اس نے آپ کو واپسی سے روکا تھا، اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کرکے معذرت کی اور معافی کا خواستگار ہوا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی معذرت قبول فرما کر اسے معاف کردیا اور دعا دی۔ حر کوفہ کا بہت بہادر آدمی تھا، جب اس کے بعض ساتھیوں نے حضرت امام کے ساتھ ملنے پر اسے ملامت کی تو اس نے کہا کہ واللہ میں نے جنت کو جہنم پر ترجیح دی ہے، واللہ میں جنت پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا، خواہ مجھے جلا دیا جائے اور میرے جسم کے ٹکڑے کردئے جائیں۔

شمر بن ذی الجوشن کو خطرہ محسوس ہوا کہ حر کی طرح کچھ اور لوگ حضرت امام حسین کے ساتھ شامل نہ ہوجائیں، اس لیے اس نے جلدی سے لڑائی شروع کرنے کا حکم دیا، عمرو بن سعد نے حضرت امام حسین کے لشکر کی طرف تیر پھینکا اور کہا کہ تم گواہ رہنا

کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے، اس کے بعد اس کے اور لوگوں نے تیر چلایا، اس کے بعد زیاد کا آزاد کردہ غلام یسار اور عبیداللہ کا آزاد کردہ غلام سالم نکلا اور دعوت مبارزت دی، عبیداللہ بن عمر کلبی حضرت امام کی اجازت سے ان کے مقابلے پر نکلے اور یکے بعد دیگرے یسار اور سالم کو قتل کر دیا، سالم نے بھی مقابلہ میں ان پر تلوار سے وار کیا، جس سے ان کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں، پھر دشمنوں نے تیر اور تلوار سے حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔

یسار اور سالم کو مرتا دیکھ کر دشمن کے خیمہ سے عبداللہ بن حوزہ اکڑتے ہوئے اور ٹرٹراتے ہوئے نکلا اس کا گھوڑا بدکا اور وہ گرا تو اس کا ایک پیر رکاب میں پھنس گیا، مسلم بن عوسجہ نے اس پر وار کر کے اسے تہ تیغ کر دیا، ابن حوزہ نے حضرت امام حسین کی شان میں بھی گستاخانہ کلمات کہے تھے، جس پر حضرت امام حسینؓ نے اسے بد دعا دی تھی اور فوراً ہی لوگوں نے اس کا انجام بد دیکھ لیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ مسروق بن وائل کوفی دشمنوں کے لشکر سے یہ کہتے ہوئے بھاگ کھڑا ہوا کہ اللہ کی قسم میں اس خاندان سے ہرگز نہ لڑوں گا۔

دیر تک ایک ایک کر کے مقابلہ کی لڑائی ہوتی رہی جس میں کوفہ کے زیادہ لوگ مارے گئے، اس کے بعد عام جنگ شروع ہوئی، جس میں دونوں طرف سے بہت سے افراد مارے گئے، حضرت امام حسینؓ کے جان نثاروں نے پہلے جان کی قربانی دی، جب وہ ایک ایک کر کے مارے گئے تو آل ابی طالب کی باری آئی، پھر مسلم بن عقیل کے بھائیوں اور بیٹوں نے سبقت کی اور شہید ہوئے، اس کے بعد امام حسین کے فرزند علی اکبر اور ان کے بڑے بھائی امام حسن بن علیؓ کے دونوں فرزند قاسم اور ابوبکر مقابلے میں آئے اور جام شہادت نوش کیا، پھر امام حسینؓ نکلے تو دشمن ان پر ٹوٹ پڑے اور آپ کے چاروں سوتیلے بھائی عباس، عبداللہ، عثمان اور جعفر آپ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور بہت سے دشمنوں کو مار کر خود بھی شہید ہو گئے، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے سترہ افراد شہید ہوئے۔ اب امام حسین تنہا رہ گئے تھے، ان پر دشمنوں کی طرف سے تیر اور تلوار کے حملے ہوئے، آپ بالکل نڈھال ہو چکے تھے، پیاس کی شدت تھی، پانی پینے کے لیے فرات کی طرف گھوڑے کا رخ کیا اور تیز رفتاری سے فرات پر پہنچ گئے، وہاں پانی کی حفاظت پر متعین کوفیوں نے آپ پر حملہ کیا، حصین بن نمیر نے تیر سے حملہ کیا، جس سے آپ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا، پانی پیئے بغیر آپ نہر فرات سے لوٹ آئے، اب آپ میں کوئی سکت باقی نہیں رہی، شمر بن ذی الجوشن لعین نے چھ آدمیوں کو لے کر حضرت امام حسینؓ کو نرغے میں لے لیا اور چاروں طرف سے نیزوں اور تلواروں کی بارش ہونے لگی، زرہ بن انس تمیمی نے پیچھے سے ایسا وار کیا کہ آپ کا بایاں ہاتھ کٹ گیا، حضرت امام نے دائیں ہاتھ سے اس پر جوابی حملہ کرنا چاہا مگر وہ ہاتھ بھی اتنا زخمی ہو چکا تھا کہ تلوار نہ اٹھ سکی، پھر سنان بن انس نخعی نے نیزہ سے ایسا وار کیا کہ نیزہ شکم سے پار ہو گیا، آپ زخم کھا کر گرے، اس نے نیزہ کھینچا اسی کے ساتھ آپ کی پاکیزہ روح پرواز کر گئی، پھر اس بدبخت نے آپ کے سینے مبارک پر چڑھ کر آپ کا سر تن سے جدا کر دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ دردناک حادثہ ۱۰ محرم روز جمعہ ۶۱ھ کو پیش آیا۔

ابن زیاد کا حکم تھا کہ حضرت امام حسینؓ کو صرف قتل پر اکتفانہ کیا جائے بلکہ گھوڑ سواروں کے ذریعہ ان کی لاش کو کچلا جائے، چنانچہ ابن زیاد کے حکم کی تعمیل میں بارہ سواروں کے ذریعہ گھوڑے کی ٹاپ سے آپ کے جسم کو کچلا گیا اور پامال کیا گیا، اس الم ناک منظر کو دیکھ کر سنگ دل لوگ بھی کانپ اٹھے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ایک صاحب زادے زین العابدین خیمے میں بیمار پڑے تھے، دوسرے صاحبزادے علی اصغر چھ ماہ کے شیر خوار بچے تھے، ماں شہر بانو کا دودھ بھوک پیاس کی وجہ سے خشک ہوگیا تھا، وہ جب پیاس سے نڈھال ہوئے تو حضرت امام انہیں اپنی گود میں اٹھا کر لائے اور عمرو بن سعد سے کہا کہ اگر میں خطا کار ہوں تو یہ بچہ تو معصوم ہے، اس کی جان پانی کے لیے تڑپ رہی ہے، اس بچہ کا کیا قصور ہے، کیا تم اس معصوم کے لیے بھی پانی کے چند قطرے نہیں دے سکتے، اس کے جواب میں دشمنوں کی طرف سے پانی کے بجائے ایسا تیر آیا جو اس کے حلق میں پھنس گیا، حضرت امام نے حلق سے تیر نکالا تو خون کا فوارہ جاری ہوگیا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل بیت کے خیمہ کو لوٹا گیا، عورتوں کو گرفتار کیا گیا، امام عالی مقام کے صاحبزادے علی بن حسن جو امام زین العابدین کے لقب سے مشہور ہیں، وہ خیمہ میں بیمار پڑے تھے، اس لیے بچ گئے اور انہیں سے امام حسین رضی اللہ عنہ کی نسل چلی، جب ملعون شمر ذی الجوشن کی نظر ان پر پڑی تو اس نے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ جب بتایا گیا کہ امام حسین کے لڑکے ہیں تو وہ بد بخت انہیں قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا لیکن حضرت زینب بنت علی اور عمرو بن سعد نے بیچ میں پڑ کر بچایا، حضرت امام نے شہادت سے ایک قبل ان سے یہ امید ظاہر کی تھی کہ وہ بچ کر مدینہ پہنچیں گے، انہوں نے انہیں وصیت کی تھی کہ وہ مدینہ پہنچ کر اہل مدینہ سے سلام کہنا، خصوصاً ابن عمر، بن عباس اور ابن زبیر وغیرہ سے مل کر سلام کہنا اور کہنا کہ ان کا انداز صحیح نکلا اور اہل کوفہ نے غداری اور بے وفائی کی اور نانا جان کے روضہ پر بھی سلام کہنا۔

عمرو بن سعد نے اپنے مقتولین کی لاش کو جمع کر کے ان کی نماز جنازہ ادا کی اور ان کو دفن کیا، لیکن حضرت امام اور ان کے ہمراہیوں کی لاشوں کو بے گور وکفن چھوڑ دیا، شہادت کے دوسرے دن ۱۱ر محرم بروز سنیچر غاغریہ والوں نے جو بنو اسد قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، شہداء کی لاشوں کو جمع کر کے دفن کیا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی لاش بغیر سر کے دفن کی گئی، آپ کا سر مبارک اور آپ کے اہل بیت کو ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجا گیا، اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ لٹا پٹا قافلہ کوفہ کے دارالامارت میں ٹھہرایا گیا، امام مظلوم کا سر ایک طشت میں رکھ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے حضرت امام کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے، اتفاق سے ایک صحابی رسول حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی اس دربار میں موجود تھے، انہوں نے اس گستاخی پر اسے تنبیہ کی، اور اس کے ظلم کے برے انجام سے اسے ڈرایا، پھر تیسرے دن شمر بن ذی الجوشن کی نگرانی میں ایک دستہ فوج کے ساتھ امام مظلوم کے سر اور ان کے اہل خاندان کو یزید کے پاس دمشق کی جانب روانہ کیا گیا، یہ الم ناک حادثہ یزید کی لاعلمی

میں اور اس کے حکم کے بغیر پیش آیا تھا، اس لیے کہ اس نے حضرت امام سے بیعت لینے کا حکم دیا تھا، ان سے لڑنے اور انہیں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، اس لیے جب اسے اس الم ناک واقعہ کی اطلاع دی گئی اور امام ہمام کا سر اور آپ کے گھر کی خواتین اور صاحبزادے امام زین العابدین اس کے سامنے پیش کئے گئے تو یزید نے پوچھا کہ یہ ظلم کس بدبخت نے کیا؟ شمر نے جواب دیا ابن زیاد نے، یزید نے ابن زیاد کو برا بھلا کہا اور گالیاں دے کر کہنے لگا کہ میں نے سمیہ کے بیٹے کو یہ حکم کب دیا تھا کہ حسین بن علی کو قتل کر دینا، اس پر اللہ کی لعنت ہو، اللہ کی قسم اگر میں ہوتا تو حسین کو معاف کر دیتا، اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ شمر لعین جو یزید کی طرف سے اپنے کارنامے پر حوصلہ افزائی اور انعام واکرام کا متمنی تھا اس کی امید پر پانی پھر گیا اور اس کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی، یزید نے عراقیوں کو بھی برا بھلا کہا، اور انہیں انعام دینے کے بجائے ان پر اپنی ناراضگی کا اظہار کر کے سب کو لوٹا دیا، فاطمہ بنت علی کہتی ہیں کہ جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کئے گئے تو ہماری حالت کو دیکھ کر اس پر رقت طاری ہوگئی، وہ ہمارے ساتھ بہت ہی نرمی اور لطف ومروت سے پیش آیا، اور ہمارے متعلق احکام دیئے۔۔۔ (طبری: ۷/۳۷۷) لیکن یزید نے قاتلین اہل بیت میں سے کسی کو سزا نہیں دی، بلکہ ان کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خاندان کچھ مدت تک دمشق میں رہے، اس کے بعد یزید نے حضرت نعمان بن بشیر کی قیادت ونگرانی میں تیس سواروں کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ اور ان صالح اور دیانتدار حضرات نے اہل بیت کے قافلہ کو پوری حفاظت کے ساتھ اور اعزاز واحترام کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ اس قافلہ میں امام زین العابدین کے علاوہ ان کی دو بہنیں فاطمہ وسکینہ بنت حسین اور امام حسین کی اہلیہ شہر بانو اور ان کی بہن زینب بنت علی کل پانچ افراد تھے۔ ان کے حسن سلوک سے خواتین اہل بیت اتنا متأثر ہوئیں کہ انہوں نے اپنے زیورات اتار کر ان کے پاس بھیجے، لیکن چوں کہ انہوں نے یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں کئے تھے، دنیوی منفعت کی نیت سے نہیں تھی، اس لیے انہوں نے اسے لوٹا دیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قافلہ سے بہتّر افراد شہید ہوئے، جن کی تدفین شہادت کے اگلے دن ۱۱ر محرم ۶۱ھ کو غاضریہ کے باشندوں نے کی جو قبیلہ بنی اسد سے تعلق رکھتے تھے، اور ابن زیاد کی فوج سے کل ۸۸ر لوگ مارے گئے، زخمیوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تمام لوگ شہید ہوئے سوائے ان خواتین کے جو خیمے میں تھیں اور صرف ان کے ایک بیٹے علی بن حسین (امام زین العابدین) کے جو خیمہ میں بیمار پڑے ہوئے تھے، ان میں اہل بیت میں سے سولہ یا سترہ افراد تھے، جن کے مشابہ روئے زمین پر کوئی اور نہ تھا، دوسری روایت کی رو سے ان کی اولاد، بھائیوں اور اہل بیت میں سے تئیس (۲۳) افراد شہید ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں جعفر، حسین، عباس، محمد، عثمان اور ابوبکر چھ افراد اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے دو لڑکے علی اکبر اور علی اصغر اور ان کے بڑے بھائی حضرت حسن کی

اولاد میں عبداللہ، قاسم اور ابوبکر تین افراد اور عبداللہ بن جعفر کی اولاد میں دو افراد جوان کے بھانجے تھے اور حضرت زینب کے صاحبزادے تھے یعنی عون ومحمد اور عقیل کی اولاد میں جعفر، عبداللہ اور عبدالرحمن یہ تینوں معرکہ کربلا میں اور حضرت مسلم بن عقیل اس سے قبل کوفہ میں ابن زیاد کے ہاتھوں قتل ہوئے، ان چار صلبی بیٹوں کے علاوہ دو پوتے عبداللہ بن مسلم بن عقیل اور محمد بن ابی سعد بن عقیل شہید ہوئے، عقیل کی اولاد میں یہ چھ افراد ہوئے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن یقطر بھی شہید ہوئے، مگر صحیح یہ ہے کہ معرکہ کربلا سے قبل جب انہیں امام حسین نے اپنا خط دے کر اہل کوفہ کے پاس بھیجا تھا تو ابن زیاد نے انہیں شہید کیا۔

البدایہ والنہایہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر اسی دن خولی بن یزید اصبحی کے ساتھ ابن زیاد کے پاس بھیجا گیا، جب وہ محل کے پاس پہنچا تو وہ بند تھا، خولی بن یزید اپنے گھر لوٹ کر آگیا اور سر کو ایک ٹب کے نیچے رکھ دیا اور اس نے بیوی نوار بنت مالک سے کہا کہ میں تمہارے پاس زمانے کی عزت لے کر آیا ہوں، بیوی نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہے؟ اس نے کہا حسینؓ کا سر۔ بیوی نے کہا لوگ سونا چاندی لے کر آتے ہیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کا سر لے کر آئے ہو؟ قسم اللہ کی، کوئی بستر کبھی مجھے اور تجھے جمع نہیں کرسکتا، یہ کہہ کر وہ بستر سے غیرت کے مارے اٹھ گئی، خولی نے اپنی دوسری بیوی کو بلایا جو بنی اسد قبیلے کی تھی، وہ اس بستر پر سوئی، اس کا بیان ہے کہ میں نے اس ٹب سے آسمان تک روشنی ہی روشنی کو دیکھا، اور سفید پرندوں کو اس کے گرد اڑتے ہوئے دیکھا۔ (۱۸۹۔۹۰)

* * * * * * * * * *

برائے مضمون نگار حضرات

- مجلہ ''المجیب'' کیلئے جو بھی مضامین ارسال کریں وہ خالص المجیب کے لئے ہو تاکہ مجلے کا معیار برقرار رہ سکے۔
- مضامین کمپوز کرا کر ارسال کریں۔
- مضمون کے پہلے یا آخری صفحہ پر اپنا پورا نام و پتہ ضرور لکھیں۔
- مضامین بھیجتے وقت اس کی نقل اپنے پاس رکھیں۔ مضامین گم ہونے کی صورت میں ادارے پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

سرکولیشن منیجر

قبل از نبوت حقوق انسانی کی حفاظت اور اس کا شرعی حکم

● ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی — پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلو، شعبہ دینیات (سنی) اے ایم یو، علی گڑھ

حقوق کا مفہوم :

ابن منظور نے حق کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے: "الحق نقیض الباطل" (۱) البتہ امام راغب اصفہانی نے لفظ حق کا معنی اس طرح بیان کیا ہے: اصل الحق المطابقة والموافقة (۲) اصطلاح کے اعتبار سے حق صرف قانون کے رائج الوقت معنوں میں استعمال ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ شعبۂ قانون کو کلیۃ الحقوق کہا جاتا ہے۔ (۳) اس کے علاوہ کیتھرن انگلش نے "حق" کی تعریف اس طرح بیان کی ہے :

"حق دراصل آپ کا استحقاق ہے جہاں دوسروں کی حدود شروع ہوتی ہیں وہاں آپ کا حق ختم ہوجاتا ہے اپنے حق کو استعمال کرتے ہوئے آپ دوسروں کے حقوق کو متاثر نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ایک شخص کا حق دوسرے کا فرض ہوتا ہے"۔ (۴)

انسائیکلو پیڈیا آف امریکا میں حق کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے :

"A legal right is one Which is protected by law and The means of protectian is remedy,The existence of a legal right implies the existence of a legal remedy for one does not exist without other".(5)

حق کے معنی اور مفہوم جاننے کے بعد ضروری ہے کہ بعثت سے قبل دنیا میں انسانی حقوق کی حفاظت کا بندوبست کس حد تک تھا۔ اس کو بھی جانا جائے۔ مأخذ بتاتے ہیں کہ جس وقت حضور ﷺ مبعوث ہوئے اس وقت معاشرے میں ظلم وجبر، عدم اعتدال، ناحق ضیاع نفس وعزت واحترام کو پیروں تلے روندا جارہا تھا حتی کہ حقوق وفرائض کا معاشرہ میں کوئی وجود ہی نہ تھا جس کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾ (سورہ روم)

''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے تا کہ وہ باز آجائیں''۔

ایسے پرآشوب دور میں نوع انسانیت کو حضورؐ نے مختلف مسائل سے نجات دلائی اور بے جا پابندیوں میں اسیر دنیا کو عزت و وقعت سے نوازا اور سب سے اہم یہ کہ انہیں تمام بنیادی حقوق عطا فرمائے۔

چنانچہ عہد نبوی کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :

(۱) قبل از بعثت انسانی حقوق۔

(۲) بعد از بعثت انسانی حقوق۔

قبل از بعثت انسانی حقوق کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے :

(۱) قبل از بعثت روم میں انسانی حقوق۔

(۲) قبل از بعثت جزیرۂ عرب میں انسانی حقوق۔

روم میں انسانی حقوق :

یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رومی حکومت دنیا کی زبردست اور دنیائے قدیم کی حقیقی حکمران سلطنت کا درجہ رکھتی تھی، یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں ماہرین سیاست اور مدبرین و مفکرین اپنی حکومتوں کا سلسلہ و تعلق روما سے ہی جوڑتے ہیں حتیٰ کہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ دنیا ایک انگشتری تھی اور روما اس کا نگینہ،(۶) ادھر رومی سماج دنیا کے دوسرے سماجوں کے مدمقابل زیادہ مہذب و متمدن تصور کیا جاتا تھا۔ ہاں یونان کی طرح یہاں بھی طبقاتی تقسیم کا سلسلہ تھا۔ یہاں یہ بتانا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت روم کی آبادی دو طبقوں میں بٹی ہوئی تھی ایک طبقہ کا تعلق امراء اور ارباب حل وعقد سے تھا جبکہ دوسرے کا تعلق عوام سے، امراء کا تعلق خوشحال خاندانوں پر مشتمل تھا شہریت کے پورے حقوق انہیں حاصل تھے، آبادی کا ایک کثیر حصہ عوام پر مشتمل تھا یہ صرف جزوی حیثیت سے شہری تھے جمہوریت کے ابتدائی دور میں انہیں یہ اجازت نہ تھی کہ وہ فوج میں اپنا اندراج کرا سکیں وہ سپارٹا کے غلاموں کی طرح حد درجہ مظلوم بھی نہ تھے انہیں خاص سیاسی حقوق حاصل تھے۔ تاہم سینٹ اور اسمبلی کے ارکان امراء کے طبقہ سے لئے جاتے تھے۔

قونصل کا عہدہ بھی امراء کے لئے مخصوص تھا جسے انتظامات میں کل اختیارات دے دیئے جاتے تھے۔ سلطنت روم کی ابتدائی صورت حال ملوکیت جیسی تھی عوام کے صدائے احتجاج بلند کرنے پر ملوکیت کا دور ختم ہوا اور اس کی جگہ سادہ جمہوری

نظام نے اختیار کرلی۔انسانی حقوق کی صورت حال پر گیٹل (Gettel) بیان کرتا ہے :

"In the Roman Thought the State did not absorb the individual as in the Theory of Plato nor was the state considerd non essential as in the teaching of Epicureans. the Romans state and individual each having definit right and duties,the state was necessary and natural work for social existance,but the individual,rather then the State,was made the protection center of legal thought and Protection of right the individual was the main Purpose for which the state existed,the state was thus wiewed as a Legal Person exercising authority within difinite limits, having rights wich were to be safe-guarded against other persons and aquainst illegal encroachment by the govenament it self on the basis of this conception that eleborate System of Roman law was created"(7)

''قدیم روم کے نظریات کے مطابق ریاست افراد کو اپنے اندر مدغم نہیں کرتی جیسا کہ افلاطون کا نظریہ ہے اور نہ ہی ریاست ایک بے کار چیز ہے جیسا کہ ارسطو کے نظریات ہیں۔اہل روم نے ریاست اور فرد کو الگ الگ کر دیا،ہر ایک کے اپنے مخصوص حقوق وفرائض ہیں۔ریاست سماج کے وجود کیلئے ضروری اور فطری لائحہ عمل ہے لیکن فرد کو ریاست کے برعکس قانون میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور فرد کے حقوق کی حفاظت میں وہ بنیادی مقصد ہے جس کے لئے ریاست کا وجود ہے۔ریاست کو ایک ایسے فرد کے قانون تناظر میں دیکھا جاتا ہے جو متعین حدود میں اپنے اختیارات استعمال کرتا ہے اور شہریوں کو ایسے قانون فرد کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے جن کے حقوق کی حفاظت حکومت خود دوسرے افراد اور قانون کے برعکس کرتی ہے اس نظریہ کی بنیاد پر رومی قانون کا تفصیلی نظام مرتب کیا گیا''۔

رومی ریاست وقانون کے متعلق بعض دیگر حضرات نے اسطرح لکھا ہے :

''اس نظام میں عوام کی آزادی اور حقوق کا تحفظ موجود تھا،سوسائٹی عدم مساوات سے پاک تھی،امیر،غریب دونوں ایک دوسرے کے حقوق تسلیم کرتے تھے۔(۸) مگر یہ کہنا بھی بے جانہ ہوگا کہ روم میں جمہوری حکومت آنے پر عوام کو کچھ حقوق تو ضرور ملے مگر یہ حقوق مستقل بنیاد پر نہ تھے کیونکہ شہنشاہیت نے مصلحت اندیشی سے کام لے کر مطالبات تسلیم کئے تھے اور نظام حکومت میں ترمیم بھی کی تھی لیکن جمہوریت زیادہ پائدار ثابت نہ ہوسکی۔ملوکیت نے پھر جنم لے لیا اور پھر عوام کے حقوق پامال ہونے لگے''۔(۹)

ابوالحسن ندوی گویا ہیں :

''شام جو بازنطینی شہنشاہی کی دوسری ریاست تھی اہل روما کی توسیع پسندی ہوس اور ملک گیری کا شکار تھا جہاں صرف

طاقت کے سہارے غیر ملکیوں کی طرح حکومت کی جاتی تھی اور محکوم رعیت کو کبھی شفقت ومحبت سے واسطہ نہ پڑتا تھا، افلاس کا یہ حال تھا کہ اکثر شامی اپنا فرض ادا کرنے کیلئے اپنے بچوں کو فروخت کر دیتے تھے مختلف نوع کے مظالم اور غلام بنانے اور بیگار لینے کا رواج عام تھا"۔(۱۰)

بعثت نبوی سے قبل عرب میں انسانی حقوق کی صورت حال نہایت مخدوش ومجروح تھی بلکہ اس دور میں انسانی حقوق کا تصور ہی نہ تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے عربوں کی سیاسی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

"ہم عربوں کی قبل از اسلام سیاسی زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ صورت حال واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ شہر مکہ میں ایک شہری مملکت قائم تھی۔ جہاں بادشاہت کی جگہ ایک طرح کی جماعتی گورنمنٹ قائم تھی یعنی ایک مجلس وزراء اس کے انتظام کی ذمہ دار تھی اس میں دیوانی اور فوجداری مقدمات کے لئے الگ الگ وزیر تھے"۔(۱۱)

ساجد الرحمن اپنی کتاب اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں رقمطراز ہیں :

"شہری مملکت کے باوجود عربوں میں سیاسی نظام کی جگہ سیاسی انارکی تھی ہر قبیلہ اپنی جگہ آزاد تھا نتیجہ یہ کہ بدو قبیلوں کی زندگی باہمی اختلاف چپقلش، نزاع اور تصادم کی تصویر تھی جو اپنی آزادی وخود مختاری کے اظہار واقرار کے لئے دوسروں کی زندگی، مال اور آزادی سے کھیلتے تھے"۔(۱۲)

علامہ شبلی نعمانی اپنی مشہور کتاب سیرت النبی میں رقمطراز ہیں :

"ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال ودولت مویشی اور اہل وعیال پر ڈاکہ ڈالنے کیلئے تیار رہتا تھا۔ تاجروں اور سوداگروں کے قافلے بغیر کسی بھاری انعام کے کسی میدان سے بسلامت گزر نہیں سکتے تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا اور مویشیوں کو ہانک لیجاتا تھا"۔(۱۳)

یعنی دور جاہلیت میں انسانیت کو ادنیٰ واعلیٰ اور شریف ورذیل کے ناقابل عبور خطوط میں تقسیم کر دیا گیا تھا، قصاص کے متعلق ان کا نظریہ یہ تھا کہ معزز اور قوم کے باوقار حامل مقتول کا قاتل اگر کوئی ہوتا تو قاتل قبیلے میں اس مقتول کا ہم مرتبہ فرد تلاش کر کے اس کو قصاص میں قتل کیا جاتا۔

ان دم القتیل الشریف لایغسل الابدم شریف مثلہ۔(۱۴)

"آزاد فرد کا قاتل غلام ہوتا تو غلام سے قصاص لینا ناکافی سمجھا جاتا اور غلام کے مالک یا کسی اور آزاد رشتہ دار کا سر مانگا جاتا یا کوئی آزاد کسی غلام کو قتل کرتا تو قاتل کا قصاص گوارا نہ کیا جاتا بلکہ کثرت معاوضہ دیا جاتا"۔

قصاص کی طرح دیت کی دنیا میں بھی یہی اصول کارفرما تھا کہ سرداروں کی دیت کم درجہ لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔ عہد جاہلیت کے عربوں کا نظریہ تھا کہ ہم چونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد حرم مکہ کے مجاور وپاسبان ہیں،

بیت اللہ کے نگہبان اور مکہ کے باشندے ہیں لہٰذا بنی نوع انسان کا کوئی فرد ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں۔(۱۵)

حقوق انسانی کی ضرورت :

یہ امن وسکون ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور اپنے بنیادی حق کی کوشش کرنا اس کے لئے فکرمند ہونا ہر بشر کی فطرت میں پیوست ہے، یہی وجہ کہ ہر وجود امن وسلامتی کا خواستگار ہے، اپنے جسم وجان اور دیگر اشیاء کی حفاظت وسلامتی ہر ایک کو بے حد عزیز ہے۔اسلام کی بنیاد شرف انسانیت، امن وامان، عدل پروری، مساوات پر رکھی گئی ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ "من سلم المسلمون من لسانه ویده"۔(۱۶) "جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں"۔

خود اللہ تعالیٰ بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا ہے کہ لوگ زمین میں فتنہ وفساد برپا کریں، عالمی امن وسلامتی کا جنازہ نکالا جائے، اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء ورسل نے پوری دنیا کو یہی درس دیا اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمدؐ نے انسانی تحفظ کو سب سے زیادہ یقینی بنایا۔چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے :

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝ —(الرعد)

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے معاہدوں کو ان کے پختگی کے بعد توڑتے ہیں۔اور زمین یعنی (دنیا) میں فساد کرتے ہیں ایسے لوگوں پر لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس جہان میں خرابی ہوگی"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ —(یونس)

"اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا"۔

ایک جگہ اور ارشاد ربانی ہے :

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ —(القصص)

"دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو بے شک اللہ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا"۔

امن وسلامتی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ امن انبیاء علیہم السلام کی محرکات ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر اہم ہے کہ خود خالق کائنات امن کے شہر کی قسم کھاتا ہے :

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ —(التین)

"قسم ہے اس شہر (مکہ) کی جو امن والا ہے"۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت ''مہیمن'' ہے جس کے معنیٰ عموماً پناہ دینے والے کے کئے جاتے ہیں، اس کے علاوہ مخلوق کے معاملات پر نگراں اور محافظ اور اسی طرح خوف سے امن دینے والے کے بھی ہیں۔ یہ نشانات ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کی خاطر دکھاتا ہے اس طرح اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ''المؤمن'' بھی ہے۔ ماہرین لغت نے لکھا ہے کہ:

''المؤمن فی صفة الله الذی آمن الخلق من ظلمه وقیل المؤمن الذی آمن اولیائه من عذابه۔(۱۷)

''المؤمن اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ وہ اللہ جس کی ذات سے امن وابستہ ہے، مخلوق اس کے ظلم سے امن میں ہے اور وہ اپنے دوستوں کو اپنے عذاب سے بچائے گا''۔

—(جاری)

حواشی ومراجع :

(۱) ابن منظور، لسان العرب، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۸ء، ج ۳، ص ۲۵۵۔
(۲) راغب اصفہانی، امام، المفردات فی غریب القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ص ۱۲۵۔
(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب ۱۹۸۸ء، ج ۸، ص ۴۲۹۔
(۴) کیتھرن انگلش، انسانی حقوق ہنڈ بک، ہیومن رائٹس سینٹر اسلام آباد، ص ۱۴۔
(۵) Grolier uncorporated the Encyclopedia of America, Danfury, conn, Grolier, 1991-23/ 519-520
(۶) حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۶ء، ص ۴۲۳۔
(۷) Gettel, History of Politecal thought, Landon Gerogeall, 1964, Page 35-36.
(۸) صدیقی، مظہر الدین، اسلام کا نظریہ تاریخ، لاہور ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۹ء، ص ۱۰۲۔
(۹) ایضاً۔
(۱۰) ندوی، ابوالحسن، سید، نبی رحمت مجلس نشریات اسلام آباد، ۱۹۷۶ء، ص ۳۵۔
(۱۱) حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۹ء، ص ۱۹۹۔
(۱۲) ساجد الرحمن، اسلامی معاشرہ کی تشکیل وتاسیس، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۵۲۔
(۱۳) نعمانی، علامہ شبلی، سیرۃ النبی، الفیصل ناشران وتاجران، کتب لاہور، ۱۹۸۴ء، ج ۴، ص ۱۸۶۔
(۱۴) جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، بیروت، ۱۹۷۰ء، ج ۴، ص ۵۴۲۔
(۱۵) حمید اللہ ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، سندھ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۵۱۔
(۱۶) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب ای الاسلام افضل۔
(۱۷) الزبیدی، محمد مرتضیٰ الحسینی، تاج العروس، دار الفکر بیروت، ۱۹۹۴ء، ج ۱، ص ۱۴۷۔

* * * * * * * * * *

منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی
(چند دن دیار حرم میں)

● وارث ریاضی — کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

عرصۂ دراز سے دل پُر شوق میں یہ آرزوئیں انگڑائیاں لے رہی تھیں کہ کاش ناچیز کو بھی حج کی سعادت اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت نصیب ہوجاتی، چنانچہ عازمین حج کے قافلے کو جب بھی حج کے لیے روانہ ہوتے ہوئے دیکھتا تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے اور یہ احساس جاگ اٹھتا کہ نہیں معلوم ناچیز کو دیار قدس کے سفر کی توفیق کب ملے گی؟ اور جب والدہ مرحومہ کی یہ پیشین گوئی :

''میرے لخت جگر! تجھے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوگی، تمہارے والد مرحوم بھی کہا کرتے تھے میرا یہ چھوٹا بیٹا حج بیت اللہ سے مشرف ہوگا''۔

یاد آجاتی تو دل اور بے تاب ہوجاتا۔

ایک دن دل میں یہ بات آئی کہ میرے صالح اور عبادت گزار والدین نے میرے لیے حج کی پیشین گوئی کی ہے تو وہ ضرور پوری ہوگی، چنانچہ ظاہری اسباب سے بے نیاز ہوکر میں نے ۲۰۱۲ء میں پاس پورٹ کے لیے درخواست دے دی، پاس پورٹ بن کر آگیا تو کچھ حوصلہ بلند ہوا، اب اخراجات سفر کے لیے رقم فراہم کرنے کی فکر ہوئی، بحمداللہ رقم بھی فراہم ہوگئی، لیکن جس سال (۲۰۱۲ء) پاس پورٹ بنوایا اس سال بہ وجوہ حج کا فارم نہیں پُر کرسکا۔

۲۰۱۳ء سے تقریباً ہر سال حج کا فارم پُر کرتا، لیکن کوئی نہ کوئی عذر پیش آجاتا، اس طرح سفر حج کی رقم جمع نہ ہوپاتی، مگر زیارت حرمین شریفین کی تمنا ہمیشہ مضطرب رکھتی۔

خدائے تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ۲۴؍جنوری ۲۰۱۷ء کو عزم مصمم کے ساتھ حج کا فارم پُر کرنے کی

توفیق عطا کی،لیکن :

ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ ۞ تجری الریاح بما لا تشتشھی السفن

ترجمہ : انسان کی ہر آرزو پوری ہوجائے یہ کوئی ضروری نہیں، کیوں کہ ہوائیں کشتیوں کی جانب مخالف میں چلا کرتی ہیں۔

۲۴؍جنوری ۲۰۱۷ءکو حج کا فارم پُر کیا اور ۲۵؍جنوری سے طبیعت سخت خراب ہوگئی۔ ناچیز ۱۹۷۱ء سے گردے کا مریض ہے،صرف دایاں گردہ کام کرتا ہے،وہ بھی 75% فیصد،جس کی وجہ سے کبھی کبھی گردے میں انفیکشن ہوجاتا ہے،اب کی بار گردے میں انفکشن کے ساتھ "E. Coli" کا اتنا شدید حملہ رہا کہ چلنا پھرنا دشوار ہوگیا،سہارے کے بغیر بستر سے اٹھنے کی طاقت بھی نہیں رہی،اور نوبت بہ ایں جارسید :

سننے والے رودیے سن کر مریضِ غم کا حال ۞ دیکھنے والے ترس کھا کر دعا دینے لگے

بتیا(مغربی چمپارن بہار) کے ڈاکٹروں کے علاج سے افاقہ نہیں ہوا تھا پٹیالہ(پنجاب) جانا پڑا،جہاں ناچیز کا بڑا بیٹا عرفان احمد ایک امریکن کمپنی میں Sefty Head کے عہدے پر ہے۔ پٹیالہ پہنچ کر وہاں کے ایک معروف ومشہور اور معیاری ہوسپیٹل Columbia Asia کے ایک حاذق ڈاکٹر گروپیٹ سنگھ ڈانگ سے معاینہ کرایا اور تقریباً ایک ماہ تک ڈاکٹر ڈانگ کے زیر علاج رہا۔

علاج کے دوران میں جس شدید رنج وکرب سے گزرنا پڑا،اس کے تصور سے دل کانپ اٹھتا ہے :

آندھیاں آہ وفغاں کی غم دل سے اٹھیں ۞ لاکھ سیلاب بلا دیدۂ تر سے گزرے

لیکن ان صبر آزما حالات میں بھی زیارت حرمین شریفین کی آرزو دل میں مچلتی رہی اور ہجوم ناامیدی میں بھی دامن امید ہاتھوں سے نہیں چھوٹا :

آیت لاتقنطوا پیش نظر رکھیے حمید ۞ دل ہجوم ناامیدی سے جو گھبرانے لگے

—(زائرحرم حمید صدیقی مرحوم)

تقریباً ایک ماہ میں جب طبیعت سنبھل گئی اور ناچیز کسی قدر چلنے پھرنے کے لائق ہوگیا تو ڈاکٹر ڈانگ نے وطن آنے کی اجازت دے دی،اس ہدایت کے ساتھ کہ ایک ماہ کے بعد پٹنہ کے کسی ماہر ڈاکٹر سے معاینہ کراکے اس کے مشورے کے مطابق علاج جاری رکھنا ہوگا۔وطن سے میری تیمارداری کے لیے اہلیہ محترمہ، چھوٹی بیٹی راشدہ خاتون اور ایک عزیز رشتے دار محفوظ الرحمن میرے ساتھ پٹیالہ آئے تھے،انہیں کے ساتھ ۱۵؍مارچ کو اپنے چھوٹے بیٹے حسان احمد کے یہاں علی گڑھ چلا آیا۔ علی گڑھ میں معلوم ہوا کہ حج کی رقم کی پہلی قسط جمع کی جارہی ہے،چنانچہ اپنے تیمارداروں کے ساتھ وطن چلا آیا اور ۳۱؍مارچ ۱۷ء کو حج کی پہلی قسط جمع کردی۔

وطن آنے پر ''دیارِ حبیب کا عزم سفر'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی جو جون ۱۷ء کے معارف (اعظم گڑھ) میں شائع ہوئی۔نظم کا ماحصل یہ تھا :

''میرے معبود! تو جانتا ہے کہ بے بسی کی زندگی گزار رہا ہوں، بیماری کی ناتوانی میں میرے لیے دیارِ قدس کا سفر کرنا آسان نہیں ہے، وہ بھی ایسی صورت میں کہ عرب ممالک کے حالات نامساعد ہیں، امن وامان کی صورت بد سے بدتر ہوگئی ہے، سرزمین حجاز بلکہ ارض حرم بھی خطرے میں ہے، ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ایک ایسا مریض ناتواں جو سہارے کے بغیر کہیں نہیں جاسکتا اس کے لیے طویل سفر کرنا بہ ظاہر آسان نہیں نظر آتا۔

میرے مولا! میں نے حج کے لیے عزم مصمم کرلیا ہے، اس لیے تو میرے ارادے کی لاج رکھ لے اور میرے اندر اتنی توانائی پیدا کردے کہ میں تیرے گھر اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کرسکوں۔''

رب کعبہ نے میری فریاد سن لی اور میرے اندر اتنی توانائی پیدا کردی کہ میں لائق سفر ہوگیا، مگر پھر بھی ہر لمحہ یہ اندیشہ رہتا تھا کہ اگر اچانک میری طبیعت بگڑ گئی تو کیا ہوگا؟ چنانچہ :

ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، توڑ دیتا ہوں ۞ کہیں ایسا نہ ہوجائے کہیں ویسا نہ ہوجائے

—(حفیظ جالندھری)

کی کیفیت سے دوچار رہا لیکن امید کا دامن ہاتھوں سے نہیں چھوٹا، ۱۵/جون کو میں نے حج کی رقم کی دوسری قسط جمع کردی اور لوازمات سفر بھی خرید لیے، اس طرح پوری تیاری ہوگئی۔

جولائی کے آخری عشرے میں حج بھون پٹنہ سے مجھے خبر دی گئی کہ ۴/اگست ۱۷ء کو تقریباً ۱۲/بجے دن میں گیا ایر پورٹ سے ایر انڈیا کے طیارے کے ذریعہ مدینہ منورہ کے لیے فلائٹ ہے، اس لیے ۲/اگست کو ۱۰/بجے دن میں حج بھون پٹنہ پہنچنا لازمی ہے۔

ناچیز اُن دنوں پٹنہ کے ایک مشہور معالج پروفیسر حسین احمد صاحب کے زیر علاج تھا، اس لیے یکم اگست کو پٹنہ جانے کا پروگرام رکھا کہ ڈاکٹر صاحب سے معاینہ کراکے دوائیں تجویز کرالوں گا۔

پروگرام کے مطابق ناچیز اپنے چھوٹے داماد کفیل احمد اور اپنے بھانجہ محمد عمران کے ساتھ یکم اگست ۱۷ء کو تقریباً ۱۲/بجے دن میں پٹنہ پہنچ گیا اور مدنی مسافر خانے میں ایک روم لے کر ٹھہر گیا۔

۴/بجے شام کو میں اپنے دونوں عزیزوں کے ساتھ ڈاکٹر حسین احمد صاحب کی کلینک (رمنہ روڈ پٹنہ) میں پہنچا۔ڈاکٹر صاحب نے معاینہ کرکے دوائیں تجویز کردیں، میں نے ۵۰/دنوں کے لیے دوائیں خرید لیں اور مدنی مسافر خانے میں آگیا۔ رات کا کھانا تناول کرکے ہم لوگ سوگئے، تقریباً ایک بجے رات میں میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی۔

۲؍اگست کی صبح کو مجھے اتنی اُلٹی ہوئی کہ میں بالکل نڈھال ہوگیا۔ ۸؍ بجے صبح کو میرے دونوں عزیز مجھے دوبارہ ڈاکٹر حسین احمد صاحب کی کلینک میں لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے معاینہ کرکے اپنے کمپاؤنڈر کو مجھے پانی کی ڈروپ لگانے کی ہدایت کردی۔ ۴؍ بجے شام تک ۵؍ بوتل پانی کی ڈروپ لگائی گئی۔ تقریباً ۵؍ بجے شام کو ڈاکٹر صاحب نے مزید دوائیں تجویز کیں اور فرمایا :

’’آپ ٹھیک ہوگئے ہیں، حج کا پروگرام منسوخ مت کیجئے، مدینہ پہنچنے پر ہر موڑ پر ڈاکٹر ملیں گے۔ گھبرانے کی بات نہیں۔‘‘

علی گڑھ سے میرا چھوٹا بیٹا حسان احمد بھی ۲؍اگست کو پٹنہ پہنچ چکا تھا، اس نے حج بھون میں میری علالت کی خبر سنی تو میں ابھی ڈاکٹر صاحب کی کلینک میں ہی تھا کہ وہ میرے پاس آگیا۔ پہلے دو تیماردار تھے اب تین ہوگئے، حسان احمد ایک کرایے کی ٹیکسی لے کر آیا تھا، اس پر سوار ہوکر ہم حج بھون گئے، جہاں ویزا اور اس کے ساتھ سفر حج سے متعلق دوسری چیزیں وصول کرلی گئیں۔

بدقسمتی سے تقریباً ۹؍ بجے رات میں پھر میری طبیعت دوبارہ خراب ہوگئی، حج بھون کے ڈاکٹروں سے کنٹرول نہیں ہوسکا تو انہوں نے کنکر باغ پٹنہ کے ایک ہوسپیٹل میں ریفر کردیا، وہاں تین بوتل پانی کی ڈروپ لگائی گئی۔ افاقہ ہوا تو حج بھون آگیا۔ عشا کی نماز پڑھ کر سوگیا اور میرے تینوں عزیزوں نے مدنی مسافر خانے میں جا کر قیام کیا، صبح اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی تو کچھ نشاطِ طبع محسوس ہوئی، لیکن خدا شاہد شدید نقاہت کے باعث ناچیز سفر حج پر جانے کی پوزیشن میں نہیں تھا، پھر بھی حوصلہ بلند رکھا کہ :

بلند عزم ہواؤں کے رخ بدلتے ہیں

آج ۳؍اگست ہے، ایک ہینڈ بیگ کے علاوہ جملہ سامان سفر حج بھون کے عملے کے حوالے کردیئے گئے ہیں، انہیں وہ گیا ائیر پورٹ پر پہنچا دیں گے۔ گیا جانے کے لیے میرے عزیزوں نے بس کا ٹکٹ بھی خرید لیا ہے۔ اس طرح ساری تیاری مکمل ہوچکی ہے۔ ۴؍اگست کو فجر کی نماز کے بعد اجتماعی دعا ہوگی اور اس کے بعد گیا ائیر پورٹ کے لیے روانگی ہوگی۔

عازمین حج کے رشتے دار اور متعلقین ان سے ملاقات کے لیے آرہے ہیں، حج بھون کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، عجیب روح پرور سماں ہے، ناچیز کے مخلص اور قدیم دوست، مشہور صحافی اور شاعر و ادیب جناب عطا عابدی صاحب جو بہار کونسل میں اردو سکشن کا افسرِ اعلیٰ ہیں، اپنے ڈیپارٹ کے چند شاعر اور ادیب دوستوں کے ساتھ ناچیز سے ملاقات کے لیے ’’حج بھون‘‘ تشریف لائے ہیں، ان سے مل کر بڑی مسرت ہے کہ پٹنے میں ناچیز کا بھی کوئی قدرداں موجود ہے۔

ان دوستوں کے چلے جانے کے بعد پھر وہی اندیشہ دورو دراز اور بے چارگی کا احساس ہے کہ اب تو بہت کمزور ہوچکا ہوں، بار بار استنجا کی حاجت پیش آرہی ہے، ایسی حالت میں تقریباً پانچ ہزار کیلومیٹر کا طویل سفر کس طرح طے ہوگا؟ اور حج و عمرہ کے ارکان کس طرح ادا ہوں گے؟ جب کہ سفر میں میرے ساتھ بہ ظاہر ایسا کوئی آدمی نہیں ہے جو بہ وقت ضرورت میری مدد

کر سکے گا لیکن یہ سوچ کر اطمینان ہو جاتا ہے کہ میں تو اللہ تعالیٰ کا مہمان ہو چکا ہوں، وہ بڑا مہربان ہے، وہ مجھ کو یوں ہی بے سہارا نہیں چھوڑے گا، اور دل تھوڑا کرنے سے مشکلیں آسان تو نہیں ہوتیں، دشوار مراحل طے ہوتے ہیں یقین محکم سے، ارادے کی پختگی سے اور بلند حوصلے سے، اگر شوق منزل رہی میں اخلاص ہو تو منزل مراد تک پہنچنا آسان ہے :

شوق منزل نے بڑھا دی ہے مری ہمت الم ❁ روح فرسا ہر قدم پر دوریِ منزل سہی

—(الم مظفر نگری)

میری روانگی سے قبل میرے تینوں عزیزان گرامی واپس جا چکے ہیں، لیکن حج بھون میں عازمین حج سے ملاقات کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ آنے والے ''عازمین حج'' سے مل کر ان سے دعاؤں کے لیے التجا کر رہے ہیں، سب کی آنکھیں پُرنم ہیں، بڑا ہی پُرسوز منظر ہے، رات کے گیارہ بج چکے ہیں، میں بستر پر دراز ہو چکا ہوں خواب آور دوا لینے کے بعد بھی نیند نہیں آرہی ہے، خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات کی رو میں نیند بھی بہہ چکی ہے، رات طویل ہوگئی ہے، شاید وقت کی رفتار تھم چکی ہے کہ صبح نہیں ہوتی۔ شاید کسی ایسے ہی حالت سے دو چار ہو کر عرب کا مشہور شاعر امرء القیس نے کہا تھا :

الا ایھا اللیل الطویل الا انجلی ❁ بصبح و وما الا صباح منک با مثل

اے ہجر کی لمبی رات تو صبح بن کر نمودار ہو جا (پھر شاعر ہوش و حواس درست کر کے شب دراز سے مخاطب ہو کر کہتا ہے) اور صبح بھی تو تجھ سے بہتر نہیں ہے (کیوں کہ جو رنج و الم رات بھر پریشان کر رہے ہیں، دن میں بھی موجود رہیں گے)۔

لیجئے شدید انتظار کے بعد صبح بھی نمودار ہوگئی، موذن کی سحر انگیز صداؤں سے حج بھون کے بام و در گونج رہے ہیں، ضروریات سے فارغ ہو کر میں نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لی، اور خوب رو رو کر دعائیں بھی مانگ لیں، کچھ دیر سے بسیں عازمین حج کو گیا ائیر پورٹ لے جانے کے لیے کھڑی ہیں۔

عازمین حج کے رشتے دار، احباب اور متعلقین، بڑی عقیدت، خلوص اور احترام کے ساتھ غم آگیں انداز میں عازمین حج کو رخصت کر رہے ہیں، عازمین حج اور ان کے عقیدت مندان پُرخلوص کے ہجوم میں بھی میں خود کو تنہا اور بے بس محسوس کر رہا ہوں، غم امروز اور فکر فردا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ وطن میں شدید بیمار اور بے حد ناتواں شریک حیات اور دو وفا شعار بیٹیوں اور چند عزیزانِ بے ریا کو چھوڑ کر تقریباً پانچ ہزار کیلو میٹر کے فاصلے پر جا کر تقریباً ۴۵ ایام گزارنا، میرے لیے کچھ کم باعث رنج و غم نہیں، اس طویل سفر کے دوران میں اگر ''طائر روح'' جسم عنصری سے پرواز کر گیا تو شریک حیات کے ساتھ میری بیٹیاں، میری نواسی مدحت ناصیہ اور میرا معصوم نواسہ عدنان احمد سلمہ مجھے یاد کر کے مدتوں رویا کریں گے، لیکن ایسا نصیب بھی کہاں کہ دیارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کے لیے دو گز زمین مل جائے :

خمار اس کا بخت رسا اللہ اللہ ❁ مدینہ پہنچ کر جو واپس نہ آئے

—(خمار بارہ بنکوی)

۶؍بجے صبح میں کچھ ناشتہ کر کے ہم بس میں سوار ہوئے،تقریباً ساڑھے نو بجے تک ہم گیا ایئر پورٹ پہنچ گئے،ائیر پورٹ کے آفس میں پاسپورٹ، جانے اور آنے کے طیارے کے ٹکٹ اور ایک چھوٹے بیگ میں 2100 سعودی ریال، اخراجات کے لیے دیے گئے،سامان پہلے ہی سے جہاز میں رکھ دیے گئے تھے،ہمارا گروپ ۵؍عازمین پر مشتمل تھا،جن میں تین مرد اور دوخواتین تھیں،ہم تقریبا ساڑھے دس بجے طیارے میں جا کر بیٹھ گئے،طیارہ وادیِ غربت میں اڑان بھرنے کے لیے تیار تھا :

ہم نے جب وادیِ غربت میں قدم رکھا تھا ۞ دیر تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

—(عبدالوحید الہ آبادی)

تقریباً ۱۲؍بجے دن میں گیا سے مدینہ منورہ کے لیے ہماری پرواز تھی،طیارہ اپنے وقت پر اڑان بھرا اور کوئی پندرہ، بیس منٹ میں ہزاروں میل کی بلندی پر فضا میں تیرنے لگا۔ناچیز کو طیارے کے پرواز کے وقت کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔نہ سر میں چکر پیدا ہوا اور نہ ثقل سماعت کا کچھ احساس ہوا جیسا کہ اس طرح کی شکایتیں بعض لوگوں کو ہوجاتی ہیں۔طیارے میں میری سیٹ کی دائیں جانب جو صاحب بیٹھے تھے وہ رام نگر مغربی چمپارن کے رہنے والے تھے،مجھے تو ان سے یادداشت نہیں تھی لیکن وہ مجھے اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے، یہ تھے مولانا محمد فاروق صاحب اور اتفاق سے ان کے ایک رفیق سفر مولوی مزمل حسین صاحب تھے جو میرے شاگرد تھے،ان حضرات کی وجہ سے راستے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی،دوپہر کا کھانا ہم نے جہاز ہی میں تناول کیا،لگ بھگ چار گھنٹے میں ہمارا طیارہ شارجہ ائیر پورٹ پر پہنچ گیا،اور یہ اعلان کیا گیا کہ کوئی عازم حج طیارے سے نہ اترے۔طیارے نے وہاں ایندھن لیا اور ایک گھنٹہ کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگیا۔دو گھنٹے میں طیارہ مدینہ ائیر پورٹ پر پہنچ گیا۔ہم اتر کر مسافر خانے میں چلے گئے۔ہمارا سامان بھی وہاں پہنچا دیا گیا،اور ویزا اور پاسپورٹ چیک کئے گئے اور تصویری لی گئی،اس میں اچھی خاصی دیر ہوگئی۔

ہمارا سامان ریاض انس بلڈنگ (مدینہ منورہ) میں پہنچا دیا گیا،جہاں ہمیں قیام کرنا تھا،بس کے ذریعہ تقریباً دس بجے رات میں ہم بھی اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے،تیسری منزل پر روم نمبر: ۳۰۲ میں ہمیں ٹھہرایا گیا۔

ریاض انس بلڈنگ مسجد نبوی کی جانب شمال میں تقریباً ۴۰۰ میٹر کے فاصلے پر ہے۔قیام گاہ پر پہنچنے کے بعد ہم نے وضو کیا اور نمازیں پڑھیں،پھر کھانا کھا کر سو گئے۔

مدینہ منورہ :

مدینہ کے لغوی معنی: مہذب، متمدن اور شائستگی کے آتے ہیں،لیکن عرف عام میں وہ شہر جو تمام تہذیبی اور تمدنی ضروریات ولوازم کا جامع ہو اسے مدینہ کہا جاتا ہے۔(۱)

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جب مدینے میں قیام فرمالیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی دعوت الی الدین کے فیضان سے محض دس سال کی مدت میں مدینے کو علمی و روحانی، تہذیبی و تمدنی اور سیاسی لحاظ سے وہ مرکزیت حاصل ہوگئی جسے دنیائے انسانیت نے اپنی آنکھوں سے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ مدینہ اسم با مسمیٰ ہے۔

مدینہ منورہ کا پرانا نام یثرب تھا۔ تاریخ مدینہ منورہ کے مولف غالی محمد الامین الشنقیطی رقم طراز ہیں :

''قدیم زمانے میں مدینہ منورہ کا پرانا نام یثرب تھا، کیوں کہ بابل میں زلزلے کے بعد نوح علیہ السلام کی ذریت منتشر ہوگئی تو جس شخصیت نے سب سے پہلے یہاں قیام کیا، اس کا تعلق ''عمالقہ'' سے تھا اور اسے یثرب کہا جاتا ہے، اسی کی نسبت سے مدینے کو نام یثرب تھا''۔ (۲)

مدینے کا یثرب کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں تھا، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (۷۷۳ھ مطابق ۱۳۲۸ء-۸۵۲ھ مطابق ۱۴۰۴ء) رقم طراز ہیں :

''وسبب الکراھۃ أن یثرب اما من التثریب الذی ھو التوبیخ والملامۃ، او من الثرب و ھو الفساد، وکلاھما مستقبح، وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب الاسم الحسن ویکرہ الاسم القبیح...'' (۳)

ترجمہ : یثرب کے نام سے کراہت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ لفظ تثریب سے ماخوذ ہے، جس کے معنی زجر و ملامت کے آتے ہیں، یا یہ ثرب سے مشتق ہے، جس کے معنی فساد اور بگاڑ کے آتے ہیں، اور یہ دونوں معنی مذموم ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھا نام پسند کرتے تھے، برا نام انہیں پسند نہیں تھا۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

''من سمی المدینۃ یثرب فلیستغفر اللہ عزو جل ھی طابۃ، ھی طابۃ''۔ (۴)

ترجمہ : جو شخص مدینے کو یثرب کہے اسے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی مانگنی چاہیے، مدینہ پاکیزہ ہے، پاکیزہ۔ (اس لیے مدینہ کو ایسے نام سے یاد کرنا چاہیے جس میں ذم کا پہلو نہ ہو)

مدینہ منورہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی محبت ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

''اللھم حبب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ او اشد''۔ (۵)

ترجمہ : اے اللہ تعالیٰ! ہمارے دلوں میں مکے کی طرح یا اس سے زیادہ مدینے کی محبت پیدا کر دے۔

قرب قیامت کے وقت ساری دنیا کفر و شرک کی ضلالت میں پھنس جائے گی، اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندوں کا دور دور تک نام و نشان نہیں رہے گا، ایسے حالات میں ایمان مدینے میں سمٹ کر آجائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کاارشاد گرامی ہے :

"ان الایمان لیأرز الی المدینة کما تأرز الحیة فی جحرھا۔" (۶)

ترجمہ : قرب قیامت کے وقت ایمان مدینے میں اس طرح سمٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں سمٹ آتا ہے۔

—(جاری)

مآخذ اور حواشی :

(۱) مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی، القاموس الوحید جلد ا، کتب خانہ حسینہ دیوبند، ص: ۱۵۳۳۔

(۲) غالی محمد الامین الشنقیطی، تاریخ مدینہ منورہ، دار الاشاعت مصطفائی دہلی، ص: ۲۷۔

(۳) علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری: ۸۹/۴ بہ حوالہ تاریخ المدینۃ المنورۃ مولفہ ڈاکٹر محمد الیاس عبد النبی مطبوعہ مطابع الرشید مدینہ منورہ۔

(۴) ڈاکٹر محمد الیاس عبد النبی تاریخ المدینۃ المنورۃ مطابع الرشید المدینۃ المنورۃ، ص: ۱۶ بہ حوالہ مجمع الزوائد: ۳۰۰/۳۔

(۵) غالی محمد الامین الشنقیطی، تاریخ مدینہ منورہ، دار الاشاعت مصطفائی دہلی، ص: ۳۲، بہ حوالہ صحیح البخاری کتاب الحج حدیث نمبر: ۱۸۸۹، صحیح مسلم کتاب الحج حدیث نمبر: ۱۳۶۷۔

(۶) حوالہ بالا ص: ۳۴، بہ حوالہ صحیح البخاری کتاب الحج حدیث نمبر: ۱۸۷۶، صحیح مسلم کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۴۷۔

(۷) مولانا سید محمد رابع ندوی جزیرۃ العرب مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، ص: ۲۳۹۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

اقوال زریں

- اچھا ورثہ علم ہے
- اچھا پیشہ ادب ہے
- اچھی پونجی عبادت ہے
- اچھی تونگری قناعت ہے
- اچھا توشہ پرہیز گاری ہے
- اچھا رہبر نیک عمل ہے

امیر خسرو کی فارسی خدمات

● مسرت جہاں ـــــ ریسرچ اسکالر، شعبۂ فارسی، ٹی۔ایم۔بی۔یونیورسٹی، بھاگلپور (بہار)

خواجہ ابوالحسن یمین الدین متخلص بہ خسرو معروف بہ امیر خسرو فارسی ادب کی ایک مایہ ناز اور ہندوستان کی ممتاز شخصیت ہے۔آپ ترکی النسل ہیں۔آپ کے والد گرامی امیر سیف الدین محمود ترکستان کے شہر ''کش'' کے رہنے والے تھے مغلوں کے حملہ سے خوف زدہ ہو کر ترک وطن کر کے ہندوستان آئے، مختلف جگہوں اور علاقوں کا سفر کر کے بمقام پٹیالی (موجودہ ضلع ایٹہ، صوبہ اتر پردیش) سکونت پذیر ہوئے۔اس وقت ہندوستان کا فرمان روا سلطان شمس الدین التمش تھا۔سیف الدین اس کے دربار سے وابستہ ہوئے اور فوج میں کسی عہدے پر مامور ہوئے۔سلطان التمش نے اس کی فوجی خدمات اور حسن کارکردگی کی وجہ سے انھیں امیر کا خطاب عطا کیا۔اس کے بعد سے یہ لفظ (امیر) ان کے اور ان کی اولاد کے ناموں کا جزو بن گیا۔یمین الدین امیر خسرو کے نام کے ساتھ بھی ''امیر'' اسی وجہ سے ہے اور وہ امیر خسرو سے زیادہ مشہور ہیں۔

امیر سیف الدین کی شادی ایک فوجی عہدیدار عماد الملک کی بیٹی سے ہوئی جس کے بطن سے تین لڑکے (۱) عزالدین (۲) یمین الدین (امیر خسرو) (۳) حسام الدین پیدا ہوئے اور ایک لڑکی کا بھی ذکر ملتا ہے مگر کسی تذکرے میں اس کا نام نہیں ملتا۔

امیر خسرو کی باضابطہ تعلیم کسی مدرسے یا مکتب میں نہیں ہوئی، البتہ خوش خطی کی مشق کے لئے وہ استاد اسدالدین خطاط کے پاس جایا کرتے تھے۔ممکن ہے وہیں انھوں نے ابتدائی تعلیم بھی پائی ہو لیکن اعلیٰ تعلیم کہاں سے پائی، کن کن اساتذہ کے سامنے زانوے ادب تہہ کیا اور کون کون سے علوم وفنون کی تعلیم پائی یہ سب باتیں غیر واضح ہیں، اس کے باوجود وہ اپنے زمانے کے علماء وفضلا میں شمار ہوئے۔ان کے تبحر علمی کا اندازہ ان کی تصانیف سے لگایا جا سکتا ہے۔بالخصوص شعر وشاعری میں انہوں نے کمال پیدا کیا اور ہندوستان کے صفِ اول کے شعراء میں شمار ہوئے۔ویسے شعر وشاعری کا شوق انھیں اپنے نانا عماد الملک کے گھر سے پیدا ہوا۔ان کے نانا چونکہ عماد الملک سلطان التمش کے دربار کے علم پرور اور شعراء نواز افسروں میں سے تھے

ان کے گھر پر شعر وادب کی مجلسیں جما کرتی تھیں اور امیر خسرو اس مجلس میں اپنے نانا کے پہلو میں بیٹھا کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں بچپن سے ہی شعر وشاعری سے لگاؤ ہوگیا تھا اور وہ بارہ سال کی عمر سے شعر کہنے لگے تھے۔

دوسری وجہ ان کے شعر وشاعری سے لگاؤ کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب یمین الدین امیر خسرو کی ولادت ہوئی تو ان کے والد گرامی امیر سیف الدین محمود اپنے نومولود بیٹے کو صحت وسلامتی کی دعاء لینے کے لئے ایک مجذوب کے پاس لے گئے۔ مجذوب نے خسرو کو دعائیں دیں اور فرمایا: ''امیر محمود! تم ایک ایسے بچے کو میرے پاس لائے ہو جو بڑا ہو کر خاقانی سے بھی سبقت لے جائے گا''۔۔۔ (سوانح حیات خسرو، ص: ۲۸)

تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن قاضی اسدالدین اپنے دوست خواجہ عزیز الدین کے گھر گئے ہوئے تھے ساتھ میں خسرو بھی تھے۔ قاضی اسدالدین نے خواجہ عزیز الدین سے کہا: یہ بچہ بھی کچھ الفاظ ترتیب دے کر گنگناتا رہتا ہے اور شعر گوئی کا شوق رکھتا ہے۔ خواجہ عزیز الدین کے ہاتھ میں ایک ڈائری تھی جس میں متفرق اشعار اور غزلیں تھیں عزیز الدین نے بیاض امیر خسرو کے ہاتھ میں تھمائی اور کہا اس میں سے کچھ پڑھو! امیر خسرو نے پورے اعتماد اور دلیری کے ساتھ مترنم آواز میں ایک غزل پڑھی۔ آواز میں چونکہ کشش تھی اس لئے غزل سن کر سب متاثر ہوئے پھر خواجہ عزیز الدین نے خسرو کا امتحان لینے کی غرض سے چار الگ الگ الفاظ ''مو، بیضہ، تیر اور خرپزہ بولے اور خسرو سے کہا کہ اسے شعر میں استعمال کرو۔ خسرو نے برجستہ ان الفاظ کو رباعی کے قالب میں ڈھال کر ان کے سامنے پیش کر دیا جو اس طرح سے تھی۔

ہر موی کہ دو زلف آن صنم است ❁ صد بیضہ عنبریں براں موی صنم است
چون تیر بدان راست دلش را زیرا ❁ چون خرپزہ دندانش میان شکم است

رباعی سن کر سب انگشت بدندان رہ گئے اور خسرو پہلے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ مذکورہ جو بھی وجہیں رہی ہوں مگر خسرو فطری طور پر شاعر تھے۔ انھوں نے اپنی فکر کو شاعری کے ذریعہ آشکارا کیا۔

امیر خسرو نے جب شعور وآگاہی کی منزل میں قدم رکھا اور دہلی میں سکونت پذیر ہوئے تو سلسلہ چشتیہ کے مشہور عالم و صوفی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان کے مرید خاص ہوئے۔ پیر کو اپنے مرید سے اور مرید کو اپنے پیر سے ایسا گہرا لگاؤ تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے جسم و جان بن گئے تھے۔ چنانچہ امیر خسرو حضرت نظام الدین اولیاء سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں :

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی ❁ تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

دوسری طرف حضرت نظام الدین اولیاء اپنے مرید سے محبت اور لگاؤ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''قیامت کے دن جب مجھ سے پوچھا جائے گا کہ نظام الدین کیا لائے ہو؟ تو میں امیر خسرو کو پیش کر دوں گا۔'' دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''اگر قبر

میں دولاشوں کو دفن کرنا جائز ہوتا تو میں امیر خسرو کو اپنی قبر میں دفن کرنے کے لئے وصیت کرتا۔ چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء کے وصال کے چھ مہینے بعد امیر خسرو بھی اس جہاں سے رخصت ہو گئے۔ ایک دوسرے سے لگاؤ وعقیدت کو دیکھتے ہوئے لوگوں نے امیر خسرو کو حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار کے پائتیں دفن کیا۔

امیر خسرو چونکہ دہلی میں سکونت پذیر ہو چکے تھے اس لئے ذریعہ معاش کے لئے انھیں سلاطین دہلی کے دربار کی طرف رخ کرنا پڑا اور یکے بعد دیگر تقریباً سات بادشاہوں وحکمرانوں یعنی غیاث الدین بلبن، ملک چھجو، بغرا خان بن غیاث الدین، جلال الدین خلجی، علاء الدین خلجی، اور غیاث الدین تغلق کے دربار سے وابستہ رہے۔

امیر خسرو کثیر التصانیف شخص تھے۔ مولانا عبدالرحمن جامی نے آپ کی کل تصانیف کی تعداد ننانوے (۹۹) بتائی ہے۔ (نفحات الانس اردو ترجمہ، ص ۸۷۳) مگر ان میں سے صرف بائیس (۲۲) کتابیں ہی ملتی ہیں۔

امیر خسرو کی فارسی تصانیف :

دیوانِ قصاید :

(۱) تحفۃ الصغر :

یہ امیر خسرو کا پہلا دیوان ہے اس میں غیاث الدین بلبن اور محمد قا آن اور اس کے دربار کے دوسرے امراء کی مدح میں کہے گئے قصاید ہیں، یہ دیوان تقریباً ۶۷۱ھ میں تصنیف ہوا اور امیر خسرو کی ابتدائی عمر (۱۶ سے ۱۹ سال تک) کے کہے گئے اشعار پر مشتمل ہے۔

(۲) وسط الحیات :

اس دیوان میں امیر خسرو کی عمر کے ۱۹ سے ۲۴ سال تک کے درمیان کہے گئے قصاید شامل ہیں۔ زیادہ تر قصاید محمد قا آن شہید، بغرا خان اور قلو خان کی مدح میں ہیں، یہ دیوان تقریباً ۶۸۴ھ میں مکمل ہوا۔

(۳) غرۃ الکمال :

اس دیوان میں امیر خسرو کی عمر کے ۲۴ سے ۴۳ سال کے درمیان کہے گئے قصاید شامل ہیں۔ زیادہ تر قصاید سلطان معز الدین کیقباد اور جلال الدین خلجی کی مدح میں کہے ہوئے ہیں۔ یہ دیوان ۶۹۳ھ میں مکمل ہوا۔ اس دیوان کی خصوصیت یہ ہے کہ دیباچے میں خسرو نے اپنی شاعری کی خصوصیت بھی بیان کی ہے۔

(۴) بقیہ ونقیہ :

اس دیوان کو آپ نے خود چونسٹھ (۶۴) سال کی عمر ۷۱۶ھ میں ترتیب دیا۔

(۵) نہایت الکمال :

یہ دیوان آپ کی عمر کے آخری زمانے کے قصاید پر مشتمل ہے، اس میں قطب الدین مبارک خلجی اور اس کے جانشینوں کی مدح میں کہے گئے قصاید ہیں۔ نیز اس میں قطب الدین مبارک خلجی کی موت پر کہا گیا مرثیہ اور غزلیں بھی ہیں۔ یہ دیوان سلطان غیاث الدین تغلق کے انتقال اور محمد تغلق کی تخت نشینی کے بعد مرتب ہوا۔

دیوان غزلیات :

یہ دیوان غزلیات، قطعات، ترجیع بند، ترکیب بند اور رباعیات پر مشتمل ہے۔

مثنویاں :

امیر خسرو نے دس مثنویاں نظم کیں، ان میں سے پانچ ان کی طبع زاد تاریخی مثنویاں ہیں اور پانچ نظامی گنجوی کے ''خمسہ'' کے جواب میں ہیں۔ خمسہ نظامی گنجوی کے جواب میں کہی گئی مثنویاں درج ذیل ہیں :

	نظامی گنجوی	امیر خسرو
(۱)	مخزن الاسرار	مطلع الانوار
(۲)	شیریں خسرو	خسرو شیریں
(۳)	مجنوں ولیلیٰ	لیلیٰ ومجنوں
(۴)	آئینہ سکندری	سکندر نامہ
(۵)	ہفت پیکر	ہشت بہشت

دلچسپ بات یہ ہے کہ نظامی گنجوی نے اپنے خمسہ میں جو بحریں استعمال کی ہیں اور جو مضامین باندھے ہیں امیر خسرو نے بھی اپنے خمسہ میں وہی بحریں اور مضامین استعمال کئے ہیں۔

طبع زاد تاریخی مثنویاں :

(۱) قران السعدین :

امیر خسرو نے یہ مثنوی ۶۸۸ھ میں نظم کی۔ سبب تصنیف یہ ہے کہ بغرا خان اور اس کے بیٹے معز الدین کیقباد کے درمیان حصول سلطنت کے لئے فوج کشی ہوئی اور پھر بعد میں باپ بیٹے کے درمیان صلح ہوگئی۔ امیر خسرو نے انہی واقعات و حالات کو اس میں بیان کیا ہے۔

(۲) مفتاح الفتوح :

امیر خسرو نے یہ مثنوی ۶۹۰ھ میں تصنیف کی اس میں سلطان جلال الدین خلجی کے عہد حکومت کے حالات اور ان کے فتوحات کا ذکر ہے۔

(۴) عشقیہ/دُول رانی وخضر خان :

یہ مثنوی سلطان جلال الدین کے بیٹے خضر خان اور گجرات کے راجہ کی بیٹی دول رانی کی عشقیہ داستان پر مشتمل ہے۔ مثنوی ۷۱۵ھ میں مکمل ہوئی۔

(۴) نُہ سپہر :

یہ مثنوی نو حصوں میں منقسم ہے حصے کو سپہر کا نام دیا گیا ہے اور ہر سپہر ایک الگ بحر میں ہے۔مختلف بحروں کا ایک ہی مثنوی میں استعمال امیر خسرو کی شاعرانہ جدت ومہارت کو ظاہر کرتی ہے۔مثنوی تاریخ ومعاشرت پر مشتمل ہے اور ۷۱۸ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔

(۵) تغلق نامہ :

یہ بھی ایک تاریخی مثنوی ہے جو قطب الدین مبارک شاہ کے عہد حکومت سے محمد شاہ تغلق کی تخت نشینی تک پر مشتمل ہے۔امیر خسرو کی اس مثنوی کو آخری مثنوی کہا جاسکتا ہے چونکہ انھوں نے اسے اپنے انتقال سے کچھ دنوں پہلے ہی نظم کیا تھا۔

نثری تصانیف :

(۱) اعجاز خسروی/رسائل الاعجاز :

اعجاز خسروی پانچ رسالوں پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ خسرو نے اپنی عمر کے ستر ویں (۷۰) سال ۷۱۹ھ میں لکھا۔ اس میں خسرو نے مرصع نثر اور صنائع و بدائع کا بھرپور استعمال کیا ہے۔اس کا مقصد ہی یہی تھا وہ اقلیم نثر میں بھی اپنا سکہ جمائیں۔خود امیر خسرو نے دعویٰ کیا ہے کہ اعجاز خسروی میں نثر کا جو اسلوب اس نے اپنایا ہے وہ خود اس کی ایجاد ہے۔

(۲) خزائن الفتوح :

یہ امیر خسرو کی تاریخ پر مشتمل تصنیف ہے جو ۷۱۱ھ میں لکھی گئی یہ کتاب سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت کے حالات وواقعات اور فتوحات پر مشتمل ہے۔خسرو نے اس میں جو بھی واقعات وحالات بیان کئے ہیں اس کے وہ عینی شاہد ہیں اس لئے تاریخی اعتبار سے معتبر ہے۔

افضل الفوائد :

یہ امیر خسرو کی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل نثری تصنیف ہے جسے انھوں نے ۷۱۹ھ میں تصنیف کیا۔

امیر خسرو نہ صرف شاعر تھے بلکہ بہترین نثر نگار اور انشا پرداز بھی تھے۔ہندوستان میں فارسی ادب کا جو بھی سرمایہ موجود ہے اس میں امیر خسرو کا سرمایہ کثیر مقدار میں ہے اس لئے ہندوستان میں فارسی ادب کی تاریخ امیر خسرو کے بغیر نامکمل سمجھی جائے گی۔

مآخذ :

(۱) بیگ مقبول بدخشان، ادب نامہ ایران، یونیورسٹی بک شاپ، لاہور۔

(۲) جامی عبدالرحمن: نفحات الانس (اردو ترجمہ)، دانش پبلشنگ کمپنی، دریا گنج نئی دہلی، ۱۹۹۹ء۔

(۳) فرشتہ، ابوالقاسم ہندو شاہ، تاریخ فرشتہ (اردو)، مکتبہ ملت، دیوبند، یوپی، ۱۹۸۳ء۔

(۴) مرزا محمد وحید: سوانح حیات امیر خسرو، ہندوستانی اکادمی، الہ آباد، یوپی، ۱۹۶۹ء۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

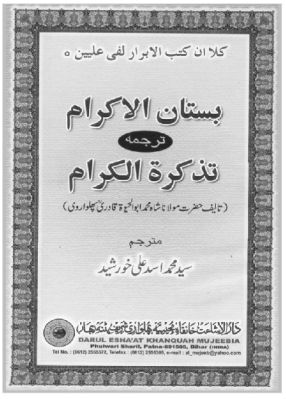

بستان الاکرام

ترجمہ

تذکرۃ الکرام

(تالیف حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیو قادریؒ پھلواروی المتوفی: ۱۲۷۶ھ)

مترجم

ڈاکٹر سید محمد اسد علی خورشید

"بستان الاکرام" خانوادۂ مجیبیہ کے ایک ذی وقار عالم حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیات قادری قدس سرہٗ کی دوسو سالہ پرانی فارسی تصنیف "تذکرۃ الکرام" کا اُردو ترجمہ ہے، جسے ڈاکٹر سید محمد اسد علی خورشید شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے سلیس اور عام فہم انداز میں پیش کرکے ترجمہ نگاری کا بہترین حق ادا کیا ہے اور بہار کی خانقاہوں کے بزرگان دین کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے سہولت فراہم کی ہے۔

یہ کتاب ایک مستند تاریخی دستاویز ہے، جس میں خانقاہ مجیبیہ کے تمام بزرگوں کے تذکرے اور ان کے مختصر حالات موجود ہیں۔ ساڑھے پانچ سو صفحات کی بہترین طباعت سے آراستہ — اس کتاب کی قیمت محض -/300 روپے ہے، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے آج ہی طلب فرما کر معلومات میں اضافہ کریں۔

رابطہ : 9006306098 ,+91-7004955974

یزید اور یزیدیت اِک مطالعہ

● پروفیسر فاروق احمد صدیقی ـــ مظفر پور

برصغیر ہندو پاک کے حامیانِ یزید میں سب سے اہم اور نمایاں نام محمود عباسی کا ہے۔ جس نے آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر ''خلافت معاویہ و یزید'' نام کی کتاب لکھ کر ملت اسلامیہ کے تمام طبقات کی دل آزاری کی اور ساتھ ہی اپنی عاقبت کو برباد کیا۔ وہ اس طرح کہ یزید کو اس نے خلیفۂ برحق قرار دیا اور امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خروج کنندہ اور باغی ٹھہرانے کی سعیٔ مذموم کی۔ اس کی پوری کتاب کی مرکزی بحث کا خلاصہ و مفاد یہی ہے۔ امام عالی مقام کے تمام فضائل و مناقب کا احاطہ کرنا یہاں مقصود و مدعا نہیں اور یہ ممکن بھی نہیں۔ بس ایک حدیث پاک نقل کی جارہی ہے :

عن ابن عباس من احبھما فقد احبنی و من ابغضھما فقد ابغضنی۔

جس نے ان دونوں (یعنی حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین) سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے عداوت کی اس نے مجھ سے عداوت کی۔

موقع کی مناسبت سے علامہ حسن بریلوی کا یہ ایمان افروز شعر ملاحظہ ہو :

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوانِ اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہل بیت

محمود عباسی (پاکستان) کی کتاب کے رد میں ہندو پاک کے مختلف اداروں اور اشخاص کی طرف سے متعدد کتابیں وجود میں آگئیں، یہاں ان سب کا تعارف اور ناقدانہ جائزہ مقصود نہیں کہ یہ مضمون ایک طویل مقالہ کی شکل اختیار کرلے گا۔ میرے علم و اطلاع کے مطابق ہندوستان میں اس پھوہڑ کتاب کا سب سے پہلے علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ مدیر ''پاسبان'' الہ آباد نے نوٹس لیا اور ۱۹۵۹ء میں پاسبان کا ایک ضخیم نمبر ''کربلا کا مسافر'' کے نام سے نکال کر عباسی کے پیش کردہ دلائل و شواہد کی دھجیاں اڑادیں اور خوش عقیدگی کے گلشن میں ایک تازہ بہار آگئی۔

اس سلسلہ میں ایک اہم کتاب مولانا قاری طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے لکھی جس کا نام ہے ''شہید کربلا اور یزید'' اس کا تعارف قاری صاحب موصوف کے صاحبزادے مولانا سالم قاسمی (جن کا انتقال ابھی حال ہی میں ہوا) کے قلم سے ملاحظہ ہو :

''شہید کربلا اور یزید'' یہ کتاب جماعت دارالعلوم دیوبند کے متفقہ مسلک حق کی ترجمان ہے، محمود عباسی صاحب کی رسوائے زمانہ کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' مسلک اہل سنت والجماعت کے نقیب دارالعلوم دیوبند کے نقطۂ فکر کے لحاظ سے ایک انتہائی گمراہ کن اور بہر لحاظ غلط کتاب ہے۔ بزرگان دارالعلوم دیوبند بصیرت وتحقیق کی روشنی میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کو برحق اور یزید کے موقف کو نفسیات پر مبنی سمجھتے ہیں'' ـــ (شہید کربلا و یزید ص: ۳، سال اشاعت ۱۹۸۹ء)

عرض یہ کرنا ہے کہ برصغیر ہندوپاک میں بنام اسلام جتنے فرقے اور جماعتیں ہیں (بشمول اہل تشیع و باستثنائے وہابیہ غیر مقلدین) سب حسب توفیق اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ محمود عباسی کے باطل نظریات کی سرکوبی کی۔ پھر اس کے بعد یزید کی حمایت میں کوئی کتاب نہیں آئی یا میری رسائی وہاں تک نہیں ہوسکی۔ لیکن ایک طویل وقفے کے بعد ادھر پھر یزیدیت نے سر اٹھانے کی ناپاک جسارت کی ہے۔ اور ممبئی میں کسی ذاکر نائک یا کھلنا یک نے اپنے بھاشن میں یزید کے لیے رضی اللہ عنہ کے دعائیہ کلمات ادا کیئے۔ اس طرح ظالم نے وہابیت کی مکروہ نمائندگی کرتے ہوئے ہزاروں نوجوانوں کے متاع علم و دانش پر شب خون مارا ہے اور ان کو اُن کے موروثی عقیدہ ومسلک سے دور کرنے کی کوشش کی ہے، اس ضال ومضل نے واقعۂ کربلا پر تبصرہ کرتے ہوئے یزید کو برسرِ حق اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی اور اقتدار کا بھوکا قرار دیا ہے۔ (معاذ اللہ)

اس جاہل شخص اور اس کے ہم نواؤں کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ خلیفۂ وقت یزید کے خلاف حضرت امام حسین کا خروج جائز نہیں تھا اور اپنے موقف کی حمایت میں اس نے بے سروپا دلیلوں کا سہارا لیا ہے، اس لچر اعتراض کا بہت ہی ٹھوس، معقول اور مدلل جواب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے قلم سے ملاحظہ ہو :

''پہلا واقعہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ہے۔ بلاشبہ وہ اہل عراق کی دعوت پر یزید کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لیے تشریف لے جارہے تھے اور یزید کی حکومت انہیں برسر بغاوت سمجھتی تھی۔ ہم اس سوال سے تھوڑی دیر کے لیے قطع نظر کیئے لیتے ہیں کہ اصول اسلام کے لحاظ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ خروج جائز تھا یا نہیں؟ اگرچہ ان کی زندگی میں اور ان کے بعد صحابہ وتابعین میں سے کسی ایک شخص کا یہ قول ہمیں نہیں ملتا کہ ان کا خروج ناجائز تھا اور وہ ایک فعل حرام کا ارتکاب کرنے جارہے تھے۔ صحابہ میں سے جس نے بھی ان کو نکلنے سے روکا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ تدبیر کے لحاظ سے یہ اقدام نامناسب ہے۔ تاہم اس معاملہ میں یزید کی حکومت کا نقطۂ نظر ہی صحیح مان لیا جائے۔ تب بھی یہ تو امر واقعہ ہے کہ وہ کوئی فوج لے کر نہیں جارہے تھے، بلکہ ان کے ساتھ ان کے بال بچے تھے اور صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے۔ اِسے کوئی شخص بھی فوج چڑھائی نہیں کہہ سکتا۔ ان کے مقابلے میں عمرو بن سعد بن ابی وقاص کے تحت جو فوج کوفہ سے بھیجی گئی

تھی۔اس کی تعداد ۴ ہزار تھی۔کوئی ضرورت نہ تھی کہ اتنی بڑی فوج اِس چھوٹی سی جمعیت سے جنگ ہی کرتی اور اسے قتل کرڈالتی۔وہ اسے محصور کرکے بہ آسانی گرفتار کرسکتی تھی''۔۔۔(خلافت ملوکیت،ص:۱۴۹۔۱۴۸،اشاعت ۲۰۱۱ء)

اس سلسلہ میں اسی طبقۂ نامراد کی طرف سے امام عالی مقام پر دوسرا اعتراض یوں وارد ہوتا ہے کہ وہ نہ کوفہ جاتے اور نہ یہ حادثہ رونما ہوتا۔اس کا بہت ہی معقول منطقی مُسکت اور دل نشیں جواب حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی نے یوں دیا ہے :

''بعض خوارج ونواصب اور اہلحدیث کہتے ہیں کہ''امام حسین کوفہ گئے ہی کیوں تھے؟ نہ وہ کوفہ جاتے نہ یہ حادثہ پیش آتا(نعوذ باللہ) وہ اپنی ہلاکت کے خود ذمہ دار ہیں''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ :

''حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت،جنگ احد میں ان کی شرکت کی وجہ سے ہوئی،نہ وہ جنگ احد میں شریک ہوتے اور نہ یزید کی دادی ان کو قتل کراتیں اور نہ ان کا پیٹ چیر کران کا کلیجہ نکال کر چباتیں،جس سے رسول اللہ کو شدید صدمہ ہوا،اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو میدان جنگ میں نہ لاتے تو محبوب چچا کی دردناک موت کا رسول اللہ کو صدمہ بھی نہ ہوتا۔''جو وہ نہ ہوتا تو یہ نہ ہوتا''۔

''شیطانی قوتیں جو آج برسرپیکار ہیں اور پوری دنیا کا امن وسکون غارت کررہی ہیں،یہ فقط ایک سجدۂ آدم کا نتیجہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ حضرت آدم کو فرشتوں سے سجدہ نہ کراتا تو ابلیس پر سجدہ نہ کرنے کا الزام بھی نہ آتا اور وہ سزا میں راندۂ درگاہِ الٰہی ہوکر خلق خدا کو گمراہ کرنے کا بیڑا نہ اٹھاتا،ایک سجدے سے کتنے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے،اور شاید ابلیس بھی انسانی برادری کی زبوں حالی دیکھ کر یہی کہتا ہوگا :

ڈبویا تجھ کو سجدے نے نہ ہوتا یہ تو کیا ہوتا

''حضرت عثمان ذی النورین سے باغیوں کا مطالبہ تھا کہ وہ خلافت چھوڑ دیں،انہوں نے خلافت چھوڑنے سے انکار کیا،نتیجہ یہ ہوا کہ باغیوں نے ان کو شہید کردیا،خواہ مخواہ ان کی جان گئی،وہ خلافت سے دستبردار ہوجاتے تو ملت اسلامیہ میں ان کی شہادت کا عظیم سانحہ پیش نہ آتا،وہ اپنی ہلاکت کے خود ذمہ دار ہوئے،وہ خلیفہ نہ رہتے،جان تو بچ جاتی،خلافت بچانے کی فکر میں جان ہی چلی گئی''۔

اگر سوچنے کا یہی انداز اختیار کرلیا جائے تو پھر حق اور باطل،انصاف اور ناانصافی،ظالم اور مظلوم کسی میں فرق باقی نہیں رہے گا،اور پھر ضروری ہوگا کہ ہم جیب کترے کو چھوڑ دیں اور جس کی جیب کٹی ہے اس کو مجرم سمجھیں کہ اس نے اپنی جیب میں پیسے رکھے ہی کیوں تھے؟ گھر لوٹنے والے کو الزام سے بری کردیں اور لٹے ہوئے شخص کو مورد الزام ٹھہرائیں کہ اس نے گھر میں مال رکھا ہی کیوں؟عصمت دری کے آئے دن پیش آنے والے واقعات میں زانی بے قصور ٹھہرے گا اور عورتوں کی نسوانیت قابل گرفت ہوگی۔

یہ سوچ انتہائی خبیث اور گمراہ کن سوچ ہے۔اس کی آخری حد یہ ہوگی کہ مسلمان اپنے مسلمان ہونے کو جرم سمجھنے لگیں گے''۔۔۔(یزید حقائق کے آئینے میں،ص:۱۰۴۔۱۰۳)

مجھے احساس ہے کہ اقتباس بہت طویل ہوگیا، مگر اس کے بغیر بات ادھوری رہ جاتی۔ ہمارا مقصد اپنے مضمون کو طول دینا نہیں ہے، بلکہ نیت صالحہ یہ ہے کہ ہماری موجودہ اور آئندہ نسلوں کی ذہنی تربیت اور اپنے موروثی عقائد وافکار سے ان کو جوڑنا وقت کا اہم تقاضا ہے، کیوں کہ نئی نسل اب ذوق مطالعہ سے محروم ہوتی جارہی ہے۔ دین کے چند ظاہری مراسم و معمولات کو بجالانا اصل دینداری نہیں ہے۔ اس کے ایمان اور اعتقاد کا تحفظ بے حد لازمی ہے۔ ورنہ پھر کوئی ناکبی یا عباسی اُس کو اپنی عیاریوں کا شکار بنا سکتا ہے۔ اس نسل کو بتلانا ہوگا کہ :

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدت میں ہمارے (یارسول اللہ) ۞ وہ تیری محبت تیری عترت کی ولا ہے

اس کو یہ نورانی سبق بھی پڑھانا ہوگا کہ :

کیا بات رضاؔ اُس چمنستانِ کرم کی ۞ زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

—(اعلیٰ حضرت رضا بریلوی)

اس کی رگوں میں یہ شعر بھی خون کی طرح گردش کرتے رہنا چاہیے :

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے ۞ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

—(مولانا محمد علی جوہر)

یزید کے دفاع میں حامیان یزید ''حدیث قسطنطینیہ'' کا بھی سہارا لیتے ہوئے یہ بکواس کرتے ہیں کہ اس کے لیے جنت کی بشارت ہے۔ وہ مغفور ہے، یقیناً یہ حدیث جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو قسطنطینیہ کی جنگ میں شریک ہوا، وہ مغفور ہے اور بعض راویوں اور مورخوں کے مطابق یزید کی اس جنگ میں شرکت ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں تمام روایات اور تاریخی بیانات کا جائزہ لیتے ہوئے قاری طیب صاحب رقم طراز ہیں :

''جیسے اس حدیث کا عموم اسے مقبولین میں داخل کر رہا ہے، ویسے ہی بخاری وغیرہ کی دوسری احادیث کا عموم اسے اس مقبولیت سے خارج بھی کر رہا ہے''— (شہید کربلا اور یزید، صفحہ:١٦٩)

اس کتاب میں یزید کے فسق وفجور اور اس کی ضلالت و بے دینی کے تعلق سے اور بھی تفصیلات موجود ہیں مگر بیان ان کا حوالہ و تذکرہ طویل مبحث کا سبب بنے گا۔ اس موضوع سے دل چسپی رکھنے والے حضرات اس کتاب مستطاب سے رجوع کر سکتے ہیں :

حدیث قسطنطینیہ کے تعلق سے حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی نے بھی بڑا عالمانہ نقد وتبصرہ فرمایا ہے، وہ بھی ملاحظہ ہو :

''اور اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس حدیث مذکورہ کے مطابق یزید ''مغفور لہم'' میں شامل ہے تو یہ مغفرت

اس کے پچھلے گناہوں کی ہوگی نہ یہ کہ وہ ہمیشہ کیلئے بخش دیا گیا اور زندگی بھر فتنہ وفساد اور ارتکاب معاصی کی اس کو کھلی چھٹی دیدی گئی۔ پچھلے گناہوں کی مغفرت کی بشارت بہت سے اعمال صالحہ کی بناء پر ہے اس میں یزید ہی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ایک حاجی کیلئے تو اس سے زیادہ واضح بشارت ہے کہ حج کرنے کے بعد اس کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور ایسا پاک وصاف ہوجاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ ہوتا ہے۔روزہ دار کیلئے اور رمضان کی راتوں میں شب بیداری کرنے والے کیلئے بھی ایسی ہی بشارت ہے کہ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں مزید یہ کہ حدیث کے مطابق لا الہ الا اللہ کہنے والا جنت میں داخل ہوگا— تو کیا حجاج، حج کے بعد گناہ کرتے پھریں، روزہ دار عید کے دن سے گناہوں کا ارتکاب کرنے لگے اور ایک بار کلمہ پڑھنے والا، تمام فرائض وواجبات چھوڑ کر بیٹھ جائے کہ اب تو وہ جنت کا مستحق ہوچکا— تو آپ اس کو پھر بھی متقی اور پرہیزگار کہیں گے؟ اگر جہاد قسطنطینیہ میں شرکت کرنے سے یزید کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہوگئے تو سارے گناہ کبیرہ کرنے والوں کو جنت کا اور مغفرت کا سرٹیفکیٹ ملنا چاہئے''— (یزید حقائق کے آئینے میں، ص: ۱۰۱-۱۰۰)

واقعہ کربلا کی سنگینی اور زہرناکی تو اپنی جگہ ہے ہی، یزید کے مظالم کا سلسلہ یہیں تک محدود نہیں۔اہل مدینہ پر اس نے کیا ظلم ڈھایا؟ اس سے بھی ہماری نئی نسل کو واقف ہونا چاہیے، مدینہ پاک کی اس شقیٔ ازلی نے اینٹ سے اینٹ بجادی۔قتل و غارت گری کی وہ مثال قائم کی جس پر تاریخ عالم بھی سراپا حیرت واستعجاب ہے۔اس حادثۂ فاجعہ کے مقابلے میں ہمارے ملک ہندوستان میں گجرات اور بھاگل پور کے مسلم کُش فسادات بھی ہیچ ہیں، بلکہ گجرات جیسے سینکڑوں فسادات اس پر قربان کئے جاسکتے ہیں۔آئیے دیدۂ خونبار سے درج ذیل اقتباس پڑھئے۔

قلم مشہور عالم ومفکر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا ہے جس کی اہمیت مشہور زمانہ ہے :

''اس کے بعد دوسرا سخت المناک واقعہ جنگ حرّہ کا تھا جو ۶۳ھ کے آخر اور خود یزید کی زندگی کے آخری ایام میں پیش آیا۔اس واقعہ کی مختصر روداد ہے کہ اہل مدینہ نے یزید کو فاسق وفاجر اور ظالم قرار دے کر اس کے خلاف بغاوت کردی۔اس کے عامل کو شہر سے نکال دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا سربراہ بنالیا۔یزید کو یہ اطلاع پہنچی تو اس نے مسلم بن عقبہ المُرّی کو (جسے سلف صالحین مسرف بن عقبہ کہتے ہیں) بارہ (۱۲) ہزار فوج دے کر مدینہ پر چڑھائی کے لیے بھیج دیا۔اور اسے حکم دیا کہ تین دن تک اہل شہر کو اطاعت قبول کرنے کی دعوت دیتے رہنا پھر اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرنا اور جب فتح پالو تو تین دن کے لیے مدینہ کو فوج پر مباح کردینا۔اس ہدایت پر یہ فوج گئی۔جنگ ہوئی مدینہ فتح ہوا اور اس کے بعد یزید کے حکم کے مطابق تین دن کے لیے فوج کو اجازت دے دی گئی کہ شہر میں جو کچھ چاہے کرے۔ اِن تین دنوں میں شہر کے اندر ہر طرف لوٹ مار کی گئی۔شہر کے باشندوں کا قتل عام کیا گیا جس میں امام زہری کی روایت کے مطابق سات (۷۰۰) سو معززین اور دس ہزار کے قریب عوام مارے گئے اور غضب یہ ہے کہ وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی۔حافظ ابن کثیر کہتے ہیں :

"حتی قیل انه حبلت الف امرأة فی تلك الایام من غیر زوج"

ترجمہ : کہا جاتا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں۔

—(خلافت وملوکیت، ص:۱۵۱-۱۵۰، اشاعت ۲۰۱۱ء)

یہی نہیں ماحول اتنا ہولناک بنادیا گیا کہ خود مسجد نبوی تین دنوں تک محروم اذاں رہی۔مولانا مودودی مزید فرماتے ہیں :

''بالفرض اہل مدینہ کی بغاوت ناجائز ہی تھی، مگر کیا کسی باغی مسلمان آبادی، بلکہ غیر مسلم باغیوں اور حربی کافروں کے ساتھ بھی اسلامی قانون کی رو سے یہ سلوک جائز تھا؟ اور یہاں تو معاملہ کسی اور شہر کا نہیں، خاص مدینۃ الرسول کا تھا، جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات بخاری، مسلم، نسائی اور مسند احمد میں متعدد صحابہ سے منقول ہوئے ہیں :

"لا یرید احد المدینة بسوء الا اذا به الله فی النار ذوب الرصاص"

ترجمہ : مدینہ کے ساتھ جو شخص بھی برائی کا ارادہ کرے گا اللہ اسے جہنم کی آگ میں سیسے کی طرح پگھلادے گا۔

اور :

"من اخاف اهل المدینة ظلما اخافه الله و علیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین لایقبل الله من یوم القیامة صرفا ولا عدلاً"

ترجمہ : جو شخص اہل مدینہ کو ظلم سے خوف زدہ کرے اللہ اسے خوف زدہ کرے گا۔اس پر اللہ اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے،قیامت کے روز اللہ اسے کوئی چیز اس گناہ کے فدیے میں قبول نہ فرمائے گا۔

میں نے بالقصد طویل اقتباسات دیئے ہیں کہ ہماری نئی نسل صورت واقعہ کی شدت اور حدت سے پوری طرح باخبر ہو کر معرکۂ کربلا کی اصلیت کو سمجھ سکے۔ورنہ حقائق سے نابلد ہو کر وہ بھی یہی کہے گی جو میرے سامنے ایک پروفیسر اور دانشور نے کمال ڈھٹائی سے کہا تھا کہ :

''دو شہزادوں کی جنگ تھی، ایک جیتا ایک ہارا''۔

''بریں عقل و دانش بباید گریست'' کا اس سے زیادہ موزوں موقع اور کوئی نہیں ہوگا، حیرت بالائے حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ پروفیسر اثنا عشری تھا۔ بہر کیف میرا یہ دعویٰ نہیں کہ میری یہ تحریر اپنے موضوع کا مکمل احاطہ کرتی ہے۔مفصل تحقیقی و تنقیدی جائزہ کے لیے تو ایک طویل مقالہ یا کتاب کی ضرورت ہے۔جس کی راقم الحروف میں صلاحیت نہیں۔میں اپنی گفتگو شاعر مشرق علامہ اقبال کی اس پرُسوز دعا پر ختم کر رہا ہوں، جو انہوں نے اپنی ملت کے نوجوانوں کے لیے کہی ہے :

جوانوں کو میری آہِ سحر دے ۞ تو ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے ۞ میرا نورِ بصیرت عام کر دے

✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽

التجائے مسافر

● سید محمد نیر رضوی ـــ سی ۳، رحمان اپارٹمنٹ، نیو پارس ٹولی، ڈورنڈا، رانچی (جھارکھنڈ)

ماہرین اقبالیات اور اقبال شناسی کے دعویداروں نے بالترتیب اپنی اپنی نگارشات میں شاعر مشرق علامہ اقبال کے مجموعہ کلام ''بانگ درا'' کی مشہور نظم ''التجائے مسافر'' کا بطور خاص تذکرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ علامہ اقبال جب ستمبر ۱۹۰۵ء میں اپنے تعلیمی سفر کے لئے یورپ روانہ ہوئے تو روانگی سے قبل آستانہ محبوب الٰہی یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ دہلی کے مزار مبارک پر حاضری دی اور وہاں تنہائی میں اپنی یہ نظم ''التجائے مسافر'' پیش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کی شخصیت سازی میں قرآن پاک کی تعلیمات، سیرت النبیؐ، اسلامی تہذیب وثقافت، تصوف، ہندو فلسفہ، مغربی علوم، اشتراکیت اور مارکس اور لینن کے نظریات انقلاب کے ساتھ ساتھ رومی اور غالب کی شاعری نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال اپنے کلام میں خود کو کبھی مرد فقیر، کبھی مرد درویش تو کبھی مرد قلندر سے منسوب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو اقبال کے ذہن و ذہنیت، بصیرت و بصارت، افکار و خیالات اور نظریات کی عکاسی کرتا ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال کو جب لندن میں اُن کے صاحبزادے جاوید اقبال کا پہلا خط ملا تو اس کے جواب میں انہوں نے اپنے خیالات ونظریات کی عکاسی کرتے ہوئے ایک نظم ''جاوید کے نام'' لکھی جس کا آخری شعر اس طرح تھا :

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے!
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

علامہ اقبال کی یہ نظم ''التجائے مسافر'' التجائیہ اور دعائیہ ہے۔ اقبال پوری نظم میں محبوب الٰہی سے مخاطب نظر آتے ہیں۔ محبوب الٰہیؒ کی شان میں قصیدہ پڑھتے ہیں اور نہایت عقیدت و احترام سے محبوب الٰہی کے توسط سے اپنے لئے، اپنے سفر کی کامیابی کے لئے، منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے، اپنے والدین یعنی والد شیخ نور محمد اور والدہ امام بی بی کے لئے، اپنے استاد مولانا میر حسن کے لئے اور اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے لئے دعائیہ انداز میں التجا کرتے ہوئے دست بستہ فریادی نظر آتے ہیں۔

محققین کی تحقیق کے مطابق علامہ اقبال کے آباواجداد کا اصل وطن موضع چکو پرگنہ آدون، کشمیر تھا۔آپ کے دادا شیخ محمد رفیق کشمیر سے ہجرت کرسیالکوٹ میں آباد ہوئے ۔شیخ محمد رفیق کے دو صاحبزادے تھے ۔ بڑے صاحبزادہ شیخ نور محمد اور چھوٹے صاحبزادے غلام قادر۔شیخ نور محمد کی شادی امام بی بی سے ہوئی تھی ۔اقبال کی پیدائش ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو اُن کے پدری مکان میں ہوئی ۔والد نے محمد اقبال نام رکھا اور والدہ پیار میں ''بالی'' کہہ کر پکارتی تھیں ۔والد شیخ نور محمد اور والدہ امام بی بی دونوں بہت متقی و پرہیزگار اور نہایت خوش عقیدہ مسلمان تھے ۔شیخ نور محمد صوفی منش انسان تھے ۔ان کی پارسائی اور اعلیٰ اخلاق و کردار کی وجہ سے لوگ انہیں بابرکت سمجھتے تھے اور ''بابا'' اور ''میاں جی'' وغیرہ کہا کرتے تھے ۔گھر کی فضا مذہبی اور ماحول صوفیانہ تھا۔علامہ اقبال کے سلسلۂ اجداد کی تاریخ کے مطابق پندرھویں صدی میں ایک بابرکت شخصیت نے کسی بزرگ کے فیض نظر سے اسلام قبول کیا تھا اور متعدد حج کیا تھا۔وہ بابا لول حج کے لقب سے مشہور ہوئے ۔اُنہوں نے کشمیر میں پیر بابا نصیر الدینؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی ۔حلقہ ارادت میں شامل ہونے کے بعد تمام عمر اپنے پیر کی خدمت میں گذار دی اور وہیں چرار میں پیر کے جوار میں تدفین عمل میں آئی ۔ کچھ عرصہ بعد حضرت بابا لول حج کی پشتوں میں ایک بزرگ شیخ اکبر ہوئے جو اپنے پیر و مرشد کے داماد بھی تھے اور پیر کی وفات کے بعد ان کے جانشیں منتخب ہوئے تھے ۔اسی خاندان میں آگے چل کر علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد دنیا میں تشریف لائے ۔شیخ نور محمد بڑے ہو کر سلطان العارفین قاضی سلطان محمود، دربار آواں شریف سے قادریہ سلسلہ میں بیعت ہوئے ۔شیخ نور محمد رسمی طور پر تعلیم یافتہ تو نہ تھے مگر حصول تعلیم کا بڑا شوق تھا۔وہ محی الدین ابن عربی کی شخصیت سے بہت متاثر تھے اور اُن کی تصانیف کا مطالعہ کرتے رہتے تھے ۔آپ کا زیادہ تر وقت صوفیوں کی صحبت میں ہی گذرتا۔اس طرح ان کا رجحان اپنے خاندان کے اکابر کی طرح مکمل طور پر تصوف کی جانب تھا۔اقبال اپنے والد کے ساتھ فجر کی نماز کے لئے پابندی سے مسجد جاتے ۔ان کے والد تو وہیں نماز کے بعد ورد و وظائف میں مشغول ہو جاتے مگر اقبال گھر آجاتے اور تلاوت کلام پاک میں مصروف ہو جاتے ۔اقبال کی آواز کلام پاک کی تلاوت کے لئے نہایت موزوں تھی ۔ چنانچہ آپ کے والد نے انہیں دعا دیتے ہوئے قرآن فہمی کی ہدایت کی جس کا ایسا خوش آیند نتیجہ برآمد ہوا کہ علامہ اقبال کی شاعری کلام اللہ کی تفسیر بن کر نمایاں ہوئی ۔اقبال کی ''اسرار خودی'' اس ضمن کی بہترین مثال ہے ۔قرین قیاس ہے کہ اقبال بھی سلسلہ قادریہ میں بیعت ہو گئے تھے جیسا کہ اُن کی نظم ''جاوید سے'' میں واضح اشارہ ملتا ہے جہاں وہ اپنے بیٹے جاوید اقبال کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اس کا مذاق عارفانہ

آپ کے والد شیخ نور محمد نے طویل عمر پائی اور اپنے اقبال مند بیٹے کی شہرت کے آفتاب کو نصف النہار تک پہنچتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔شیخ صاحب نے ۱۷/اگست ۱۹۳۰ء کو یعنی علامہ اقبال کی موت سے محض آٹھ سال قبل ہی وفات

پائی۔اقبال نے کئی مقامات پر اپنے والد سے حاصل کردہ تعلیم وتربیت اور صحبت کا ذکر نہایت فخریہ انداز سے کیا ہے۔وہ ایک خط میں لکھتے ہیں :

''ہزار کتب خانے ایک طرف اور باپ کی نگاہ شفقت ایک طرف ۔اسی واسطے تو جب کبھی موقع ملتا ہے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور پہاڑ پر جانے کے بجائے ان کی گرمیٔ صحبت سے مستفید ہوتا ہوں''۔

اقبال کی والدہ امام بی بی بھی بہت پڑھی لکھی نہیں تھیں مگر ایسی صحبت کی پروردہ تھیں کہ وہ نہایت خوش اخلاق وخوش اطوار، متقی و پرہیز گار، باکردار اور باوقار خاتون تھیں۔بہت ہر دل عزیز تھیں۔خیرات وصدقات میں کشادہ دست تھیں۔خاندان کے افراد انہیں احترام سے''بے جی'' کہتے تھے۔والدہ امام بی بی نے اقبال کی پرورش اس طرح کی کہ ان میں ملک وملت بالخصوص اُمت مسلمہ کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوا جو تا حیات برقرار رہا۔آپ کی والدہ کا انتقال ۹ رنومبر ۱۹۱۴ء میں ہوگیا۔اقبال کو بہت صدمہ پہنچا۔اُنہوں نے''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' نہایت پر اثر مرثیہ لکھ کر خراج عقیدت پیش کیا :

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا

گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا

اقبال کا بچپن ایسے متقی پرہیز گار والدین کی نگہداشت ،ان کی پرورش و پرداخت اور نہایت مہذب صوفیانہ ماحول میں گذر رہا تھا کہ والد شیخ نور محمد نے چار پانچ سال کی عمر میں محلہ سے قریب مسجد میں مولانا میر حسن کے مدرسے میں درس قرآن کی خاطر داخلہ کرادیا۔اقبال کی تعلیم صرف درس قرآن تک محدود نہ رہ جائے، لہٰذا مولانا میر حسن کی ایک سال کی تربیت کے بعد والد نے مولانا ہی کے اصرار پر اُن ہی کے مکتب میں اردو اور فارسی کی تعلیم کے لئے وہاں داخلہ کرادیا جو محلہ سے دور کوچہ میر حسام الدین میں واقع تھا۔یہاں اقبال نے اردو، فارسی اور عربی کی بنیادی تعلیم اپنے مشفق استاد مولانا میر حسن سے حاصل کی۔ اقبال نے مولانا میر حسن کے مدرسہ میں تقریباً تین سال گذارا اور انہی کے زیر تربیت رہے۔پھر انہی کے مشورہ پر اسکاچ مشن ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔یہ حسن اتفاق تھا کہ مولانا بھی اب اسی اسکول میں مدرس ہو گئے تھے۔وہ اسکول کی تعلیم کے بعد مولانا کے گھر پر بھی ان سے عربی فارسی کا درس لیتے ۔مولانا میر حسن معتبر عالم دین، نہایت روشن خیال صوفی منش انسان تھے اور اُبھرتی ہوئی جدید انگریزی تعلیم اور صنعتی تمدن کے حامی تھے۔وہ سرسید کی تحریک سے بھی متاثر تھے۔مولانا میر حسن کا شعری ذوق بہت اعلیٰ تھا۔انہیں اُردو، فارسی اور پنجابی کے ہزاروں اشعار از بر تھے۔ایسا ملکہ حاصل تھا کہ کسی ایک شعر کی تشریح کے دوران اُسی شعر سے ملتے جلتے کئی شاعروں کے اشعار سناتے جاتے اور نہایت دلکش وضاحت بھی کرتے جاتے۔اقبال کے دل میں شاعری کے لئے رغبت یہیں سے پیدا ہوئی۔اقبال نے ۱۸۹۰ء میں اسی اسکول سے مڈل اور ۱۸۹۳ء میں ہائی اسکول سے میٹرک کیا۔انہیں پرائمری، مڈل اور میٹرک سبھی امتحانات میں امتیازی نمبروں کی وجہ سے وظیفہ ملتا رہا۔اقبال میں اب تک شعر گوئی

کا ذوق پیدا ہو چکا تھا۔غزلیں کہنے لگے تھے مگر اسے چاک کر دیا کرتے تھے۔انہوں نے میٹرک کے بعد اپنی غزلیں رسالوں کو بھیجنا شروع کیا۔ ۱۸۹۴ء میں ان کی ایک غزل شایع ہوئی جس کا مقطع ہے :

گرم ہم پر کبھی ہوتا ہے وہ بت گر اقبالؔ
حضرت داغ کے اشعار سنا دیتے ہیں

لاہور میں شعر و شاعری کا نہایت سازگار ماحول تھا۔حکیم امام الدین کے مکان پر مشاعرہ کا اہتمام ہوا کرتا تھا۔نومبر ۱۸۹۵ء کی ایک نشست میں اقبال نے بھی شرکت کی اور نوعمری میں اس نو آموز طالب علم نے جو غزل پڑھی اسے ذی وقار دانشوروں اور قابل احترام ادیبوں سے بے پناہ داد تحسین ملی۔ بالخصوص جس شعر نے بطور خاص سبھوں کو محظوظ کیا وہ یہ تھا :

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

سورج اپنی پہلی کرن سے ہی پہچانا جاتا ہے کہ وہ سورج ہے۔ چنانچہ پہلی کرن اُفق پر اپنا اثر چھوڑ گئی۔علامتوں نے اشارہ کر دیا کہ سورج تو بس! اب طلوع ہونے کو ہے اور جب طلوع ہوگا تو اُس کا نصف النہار تک پہنچنا بھی یقینی ہے۔اور ہوا بھی ایسا ہی۔ چنانچہ ماہر اقبالیات جناب محمد عبدالسلام خان اپنی کتاب ''افکار اقبال'' میں فرماتے ہیں :

''چنانچہ اقبال کے مذاق شعری، زبان دانی، فارسی کی معیاری شاعری پر نظر اور انداز فکر میں مولانا کا بہت بڑا حصہ ہے''۔

اقبال اب مشاعرہ کی محفلوں اور باوقار جلسوں میں باضابطہ شریک ہونے لگے۔انجمن حمایت اسلام کے معتبر جلسوں میں جہاں بڑے بڑے ادیب و شاعر اور رہنما شریک ہوتے تھے، اقبال کو بھی مدعو کیا جانے لگا۔ چنانچہ ۱۹۰۰ء میں جب یہ جلسہ منعقد ہوا تو اقبال نے بھی اپنی نظم ''نالۂ یتیم'' ترنم سے سنائی۔ابھی تو پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ ایسا محسوس ہوا جیسے سامعین پر جادو سا چھا گیا ہو۔ منتظمین جلسہ کو پہلے سے ہی اس سحر انگیز صورت حال کا اندازہ ہو چکا تھا، لہٰذا اُنہوں نے اقبال کی اس نظم کو کتابی صورت میں چھاپ لیا تھا۔ جیسے ہی ماحول سحر انگیز ہونے لگا، منتظمین جلسہ نے درمیان میں ہی اقبال کو پڑھنے سے روک دیا تا کہ کتابیں فروخت کی جاسکیں۔تھوڑی ہی دیر میں ساری کتابیں فروخت ہوگئیں۔حاصل شدہ رقم کا استعمال تعلیمی مقاصد کے لئے کیا گیا۔پھر ۱۹۰۴ء میں جب یہ جلسہ منعقد ہوا تو اقبال نے اپنی نظم ''تصویر درد'' پڑھی۔سامعین میں حالیؔ بھی موجود تھے اور خواجہ حسن نظامی بھی موجود تھے۔حالیؔ پیسہ نچھاور کرنے لگے تو خواجہ حسن نظامی نے اپنا عمامہ اقبال کے سر پر رکھ دیا۔غرض سورج اپنی پوری تمازت کے ساتھ طلوع ہو چکا تھا اور رفتہ رفتہ نصف النہار تک پہنچ رہا تھا۔

اقبال نے ۱۸۹۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا ۱۸۹۷ء میں امتیازی نمبروں کے ساتھ عربی اور فلسفہ میں بی اے کیا۔پھر فروری ۱۸۹۸ء سے ستمبر ۱۹۰۵ء تک ایم اے اور قانون کی تعلیم حاصل کی اور چند تعلیمی اداروں میں ملازمتوں کا

سلسلہ بھی دراز ہوا مگر خاطر خواہ کامیابی نہیں مل رہی تھی۔ ایم اے تھرڈ ڈویژن ہوگیا تو قانون کے امتحان میں فیل ہو گئے۔ ملازمتیں بھی عارضی ثابت ہو رہی تھیں۔ دریں اثناء اقبال جو اپنے شفیق استاد پروفیسر ٹامس آرنلڈ سے بہت زیادہ متاثر تھے، اُن کی ترغیب پر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے یورپ کا دورہ کرنے کا ارادہ کیا۔

اقبال اپنی کامیابی کے لئے اپنے استاد مولانا میر حسن کا ہمیشہ ممنون رہتے یہاں تک کہ اقبال کو جب ''سر'' کا خطاب عطا ہوا تو انہوں نے خطاب حاصل کرنے سے قبل حکومت کے سامنے شرط رکھی کہ پہلے ان کے قابل استاد مولانا میر حسن کو ''شمس العلما'' کا خطاب دیا جائے۔ گورنر نے اُن کی تصانیف کے بارے میں استفسار کیا اور تفتیش کی تو اقبال نے نہایت خوبصورت جواب دیا۔ فرمایا کہ ''اُن کی زندہ تصنیف میں خود ہوں''۔ بالآخر حکومت جواب سے مطمئن ہوئی اور شرط منظور کر لی گئی۔ علامہ اقبال اپنی مجاہدانہ زندگی اور تعلیمی نشو ونما کے لئے اپنے استاد مولانا میر حسن کے تئیں تاحیات مشکور وممنون رہے۔ مشفق استاد مولانا میر حسن کے تئیں اقبال کی عقیدت ومحبت کا یہ عالم تھا کہ اُنہوں نے ان کے انتقال پر قرآن پاک کی آیت: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○ سے تاریخ وفات نکالی۔

اقبال ستمبر ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول، اپنی نیک تمناؤں کی تکمیل اور اپنے خوابوں کو حقیقت کا جامہ پہنانے کی خاطر یورپ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ''التجائے سفر'' یورپ روانگی سے قبل کی تخلیق ہے۔ پورا واقعہ اس طرح ہے کہ اقبال پہلی ستمبر ۱۹۰۵ء کی رات کو دہلی کے لئے سوار ہوئے۔ ۲ ستمبر کی صبح دہلی پہنچے۔ کچھ دیر آرام کے بعد ہمایون اور داراشکوہ کے مزارات پر فاتحہ پڑھا۔ پھر محبوب الٰہی کے آستانہ عالیہ پر حاضری دی اور تنہائی میں سرہانے بیٹھ کر نہایت عقیدت واحترام کے ساتھ ''التجائے مسافر'' پیش کی۔ درگاہ سے نکل کر غالب کے مزار پر تشریف لائے۔ یہاں قوال غالب ہی کی غزل گا رہا تھا :

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی ❁ دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی
شق ہوگیا ہے سینہ، خوشا لذت فراغ ❁ تکلیف پردہ داری زخمِ جگر گئی

جب قوال اس شعر پر پہنچا کہ :

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں ❁ اُٹھیے بس اب کہ لذّت خواب سحر گئی

تو اقبال عالم محویت میں اُٹھے اور انہوں نے غالبؔ کے مزار کو بوسہ دیا۔ اقبال اب بمبئی ہوتے ہوئے پانی کے جہاز سے ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء کو لندن پہنچے اور اپنے تمام ارمانات کی تکمیل کے بعد ۲۵ جولائی ۱۹۰۸ء کو وطن واپس آگئے۔ التجا پوری ہوئی۔ اقبال اب ''علامہ اقبال'' بن کر اپنے وطن واپس ہوئے ہیں۔ دہلی میں قدم رکھتے ہی پھر محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاؒ کے آستانہ پر حاضری دی۔ فاتحہ خوانی کے بعد کچھ دیر قوالی سے لطف اندوز ہوئے پھر غالبؔ کے مزار پر تشریف لائے وہاں فاتحہ پڑھا اور اس کے بعد انبالہ میں قیام کرتے ہوئے ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو لاہور پہنچ گئے۔

اقبال کی نظم ''التجائے مسافر'' میں اُن کے والدین اور استاد مولانا میر حسن کے علاوہ جس عظیم شخصیت کا بطور خاص ذکر ہے وہ اُن کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد ہیں جو اقبال سے اٹھارہ برس بڑے تھے۔ وہ سرکاری ملازم تھے۔ اقبال سے بہت محبت کرتے تھے۔ اقبال کی معاشی حالت بہتر نہ تھی۔ ہمیشہ ان کی زندگی گراں بار ہی رہی مگر بڑے بھائی شیخ عطا محمد اپنی محدود آمدنی کے باوجود ہمیشہ اپنے چھوٹے بھائی کا ہر لحاظ سے خیال رکھتے۔ اُنہوں نے اقبال کی تعلیم کے تمام مصارف برداشت کئے۔ اقبال کی خواہش کے مطابق شیخ عطا محمد نے انہیں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے واسطے یورپ روانہ کیا اور قیام یورپ کے تمام اخراجات بھی برداشت کئے۔ علامہ اقبال نے ''التجائے مسافر'' میں جہاں اپنے والدین اور اپنے استاد کے لئے دعا مانگی وہیں اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کو ''یوسف ثانی'' کے لقب سے یاد کرتے ہوئے ان کے لئے بھی دعا مانگی ہے۔

اب متذکرہ سیاق وسباق میں اب پوری نظم ''التجائے مسافر'' ملاحظہ کیجئے :

فرشتہ پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا ❁ بڑی جناب تری، فیض عام ہے ترا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قایم ❁ نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی ❁ مسیح وخضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی ❁ بڑی ہے شان، بڑا ہے احترام تیرا

اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زار توام
وگر کشادہ جبینم گل بہار توام

چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل ❁ ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے ❁ شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر، درخت صحرا ہوں ❁ کیا خدا نے نہ محتاج باغباں مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں ❁ تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو
مقام، ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے ❁ کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے ❁ کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر ❁ تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار وخس میں نے ❁ چمن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آرکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں ❁ کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو
وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی ❁ رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو

نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی ❁ بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں ! ❁ کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
وہ میرا یوسف ثانی، وہ شمع محفل عشق ❁ ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو
جلا کے جس کی محبت نے دفتر من وتو ❁ ہوا ئے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
ریاض دہر میں مانند گل رہے خنداں ❁ کہ ہے عزیز تر از جاں وہ جان جاں مجھ کو

شگفتہ ہو کہ کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

شارح اسرار زیدی اور نثار اکبر آبادی کی ''کلیات اقبال'' میں ''التجائے مسافر'' کی جو تشریح کی گئی ہے وہ اس طرح ہے :

پہلا حصہ :

''اے عالی مرتبت! (نظام الدین اولیاء) بے شک تو اتنا عظمت والا ہے کہ فرشتے بھی تیرا نام ادب و احترام کے ساتھ لیتے ہیں۔ اس لئے کہ تیرا در بار بھی بڑی عظمتوں کا حامل ہے۔ جہاں سے ہر کہہ ومہ کو فیض حاصل ہوتا ہے جو حاملان عشق حقیقی ہیں۔

ان کا وجود تیری کشش کے سبب بڑی اہمیت رکھتا ہے اور جس طرح آفتاب طلوع ہونے پر ساری کائنات کو روشنی عطا کرتا ہے۔ اسی طرح تیری شخصیت بھی روشنی پھیلانے کا سبب ہے۔ آج تیری بارگاہ میں حاضری دی ہے تو یوں لگتا ہے کہ دل و دماغ کو روشنی حاصل ہوگئی ہے۔ اس لئے کہ میرے نزدیک حضرت عیسیٰ اور حضرت خضر علیہ اسلام سے بھی تیرا مقام بلند ہے۔ تو نے ربّ ذوالجلال سے ایسی لو لگائی ہے کہ اس نے بھی تجھے اپنے محبوب ہونے کا مرتبہ عطا کیا چونکہ تو ربّ العزت کا محبوب ہے اس لئے تیری شان بھی بلند ہے اور اسی باعث تو واجب الاحترام بھی ہے۔ لہٰذا اگر میں بدنصیب اور سیاہ قلب ہوں تو تیرے باغ میں موجود لالے کے پھول کے داغ کی مانند ہوں اور اگر خوش بخت ہوں تو تیرے چمن میں لہلہاتے ہوئے پھول کی مانند ہوں۔ مراد یہ ہے کہ میں جیسا بھی ہوں تیرا معتقد ہوں''۔

دوسرا حصہ :

''اے محبوب الٰہی! کہ جس طرح چمن سے خوشبو رخصت ہوتی ہے اسی طرح میں اپنے وطن کو الوداع کہہ رہا ہوں۔ وطن سے دوری میرے صبر کا بے شک امتحان ہے جس میں اپنے آپ کو میں نے خود ہی ڈال لیا ہے۔ یہ تحصیل علم کا شوق ہی ہے جو مجھے اپنے خوبصورت وطن سے دور بلاد غیر میں لے جا رہا ہے۔

اے محبوب الٰہی! میرا وجود تو صحرا میں ایستادہ ایک ایسے خود رو شجر کی طرح ہے جس کی نظر ہمیشہ ابر کرم پر ہوتی ہے اور جسے کسی نوع کی غور پرداخت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میرا وجود اس عہد میں ایک ایسے فرد کی مانند ہے جس کی نگاہ ہمیشہ آسمان

کی بلندی کی جانب ہوتی ہے تاہم تیری ایسی دعا کا طالب ہوں جس کے سبب وہ راستہ مل جائے جو منزل تک پہنچنے میں مددگار ثابت ہوسکے۔

میرا مقام دوسرے لوگوں سے اس قدر آگے ہو کہ وہ اس مقام کو منزل مقصود سے تعبیر کرسکیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ میں اپنے قلم سے جو تحریر بھی لکھوں وہ کسی کی دلگرفتگی کا سبب نہ بنے۔ اور نا ہی خود مجھ کو اس بھری پری دنیا میں کسی سے شکایت ہو۔ تیری جناب سے مجھے اپنی فریاد میں وہ اثر حاصل ہو جائے جو دلوں کو برنا کر رکھ دے۔ میں نے جس محنت وکاوش سے اپنا گھر بنایا تھا خدا کرے وطن واپسی پر میں اسی طرح آباد وکامراں دیکھ سکوں۔

اقبال فرماتے ہیں کہ جب میں یورپ سے تحصیل علم کے بعد واپس وطن آؤں تو اپنے باپ اور ماں کے قدموں پہ پیشانی رکھ سکوں کہ انہی کے طفیل مجھے محبت وشفقت کے رازہائے درون پردہ کا علم حاصل ہوا ہے۔ بعد کے تین اشعار میں اقبال اپنے استاد مولوی میر حسن کے لئے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کے خاندان کا وہ چراغ جس کا گھر میرے نزدیک کعبہ کے مانند ہے اس کی عنایت وقدردانی نے مجھے علم وفضل کے جواہر سے آراستہ کیا۔ ان کے لئے دعا گو ہوں کہ وطن واپسی پر اپنے استاد کو خوش وخرم اور خوشحال دیکھوں۔

اس نظم کے باقی چار اشعار میں سے تین اشعار میں اقبال اپنے برادر بزرگ شیخ عطا محمد کے لئے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا بھائی مجھے حضرت یوسفؑ کی مانند عزیز ہے اس لئے کہ وہ مجھ سے عشق کی حد تک چاہت رکھتا ہے اور جس کی محبت میرے لئے ہمیشہ سکون قلب کا باعث رہی ہے جس نے میری پرورش کے دوران اپنے لئے عیش وآرام کو حرام سمجھا۔ وہ مجھے بے شک جان ودل سے زیادہ عزیز ہے۔ میری دعا ہے کہ میرا یہ بھائی اس دنیا میں ہمیشہ خوش وخرم رہے۔ آخری شعر میں اقبال یوں دعا کرتے ہیں کہ میرے دل کی کلی کھل کر پھول بن جائے اور مسافرت کے دوران دعائیہ انداز میں جو التجائیں کی ہیں، اے محبوب الٰہی! تیرے توسط سے ان کی پذیرائی ہو۔''

آج دنیا اقبال کو علامہ، شاعر مشرق، سر، ڈاکٹر، حکیم الامت اور رحمتہ اللہ علیہ جیسے القاب سے یاد کرتی ہے۔ اُنہیں پوری دنیا میں عظیم مفکر اسلام اور عظیم المرتبت شاعر کے طور پر جانا اور پہچانا جاتا ہے جن کی شاعری عہد ساز، لافانی اور زندہ شاعری ہے۔ کسی بھی مسلک ومذہب کے ماننے والے کی تقریر وتحریر ایسی نہیں جو اپنے خطبوں یا اپنی نگارشات کو با اثر اور وزن دار بنانے کے لئے علامہ اقبال کے اشعار کا استعمال نہ کرتا ہو! ہر ادیب وشاعر اور دانشور علامہ اقبال کے اشعار سے ماخذ تلاش کر اپنی تخلیق کو معانی کا جامہ پہنانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ عالمی سطح پر علامہ اقبال کی شخصیت وہ واحد علمی اور ادبی شخصیت ہے جس پر مطالعات کا سلسلہ کبھی تھما نہیں۔ بین الاقوامی سطح پر ماہرین اقبالیات اور اقبال شناسوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ہر دن نئی نئی تحقیق منظر عام پر آرہی ہے۔ ''التجائے مسافر'' میں مسافر کی التجا قبول ہوئی اور سورج اپنے نصف النہار تک پہنچا۔ چنانچہ مشمولات بالا کے

پیش نظر علامہ اقبال کی اس نظم کے بارے میں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اُن کی یہ نظم ''التجائے مسافر'' محض ایک نظم نہیں بلکہ منظوم فاتحہ خوانی ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب کا نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

حواشی :

(۱) کلیات اقبال: شارح اسرار زیدی اور تشریح الفاظ۔ نثار اکبر آباد۔
(۲) افکار اقبال: محمد عبد السلام۔
(۳) اقبال شناسی: علی سردار جعفری۔
(۴) اقبال اور فلسفہ: پروفیسر نور الحسن نقوی۔
(۵) اقبال اور محبت رسولؐ: ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی۔
(۶) ذکر اقبال: عبد المجید سالک۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

ضروری اعلان

مدت خریداری معلوم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کے نام و پتہ کے اوپر جہاں مثلاً Upto)2730/08 Dec. 2017) لکھا رہے، اس کا مطلب ہے کہ آپ کا خریداری نمبر 2730/08 ہے اور Upto Dec. 2017 کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۱۷ء میں ختم ہوگئی ہے، آپ کے ذمہ ۲۰۱۸ء کا زر تعاون باقی ہے۔

لہٰذا رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور پورا پتہ لکھنا نہ بھولیں۔ جو حضرات چیک یا ڈرافٹ کی شکل میں رقم بھیجنا چاہیں — تو اس پر صرف "Darul Esha'at" تحریر کریں۔

A/c No. : 1271488319, A/c Name : DARUL ESHA'AT
IFSC Code : CBIN-0282779
Central Bank of India, Branch: Anisabad, Patna-800002 (Bihar)
Tel : (0612) 2250238

— سرکولیشن منیجر

نام کتاب	:	ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی — ایک مطالعہ			
تصنیف	:	ڈاکٹر شبنم فاطمہ	رابطہ	:	9546825253
ناشر	:	ارم پبلشنگ ہاؤس دریاپور، پٹنہ۔ ۴	صفحات	:	۲۱۶
قیمت	:	۳۰۰؍روپئے			
ملنے کے پتے	:	(۱) بک امپوریم سبزی باغ، پٹنہ۔ ۴	(۲) ارم پبلشنگ ہاؤس دریاپور، پٹنہ۔ ۴		

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی — ایک مطالعہ، ڈاکٹر شبنم فاطمہ کی ایک تحقیقی کتاب ہے، جس میں ڈاکٹر فاطمہ نے ایک ایسی شخصیت کی زندگی کے چندگوشوں پر روشنی ڈالی ہے جو نابغہ روزگار تھی۔ پھلواری شریف کے ایک معروف، معزز اور باوقار خاندان، خانوادۂ مجیبی میں پیدا ہوکر اور پھلواری شریف کی گلیوں سے نکل کر وہ تلاش علم میں دنیا کے گوشہ گوشہ میں گئے۔ ہندوستان، عرب ممالک اور مغرب کے کئی شہروں کی خاک چھانی، تب انہیں وہ مقام ملا جس کا تصور بھی بہت کم لوگ کرسکتے ہیں۔ اردو، انگریزی، عربی اور فرنچ زبان پر انہوں نے عبور حاصل کیا، لیڈس یونیورسٹی سے ڈاکٹریت کی ڈگری لی اور سعودی عرب کی باوقار یونیورسٹی ام القریٰ میں سالہاسال تک معلم رہے۔ اردو، عربی اور انگریزی میں کئی کتابیں تصنیف کیں، کتنی ہی کتابوں کا ترجمہ عربی سے اردو اور اردو سے عربی میں کیا، جس کی وجہ سے وہ علم وادب کی دنیا میں ایک باوقار مصنف اور مترجم کی حیثیت سے روشناس ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اتنی بلندی تک پہنچتے پہنچتے ان کی شخصیت اور ان کی زندگی کے مختلف گوشے بھی نمایاں ہوتے گئے۔ ان پر نہ صرف لوگوں نے ریسرچ کیا بلکہ پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ ان کی ایک خاص صفت یہ بھی تھی کہ وہ جہاں پیدا ہوئے، جس ذی علم اور رشد وہدایت والے خاندان سے ان کا تعلق رہا اور جہاں کی گلیوں، بازاروں میں وہ بچپن اور جوانی کے کچھ ایام گذار پائے، اُسے کبھی فراموش نہیں کیا، بلکہ تاعمر اس پر نازاں رہے، یہاں تک کہ اپنی کتاب سفرنامۂ حیات میں اس کا ذکر بھی کرنا ضروری سمجھا کہ انگریزوں کے زمانہ میں پھلواری شریف کے بازار میں بیٹھی عورتیں انگریزوں سے لین دین

اپنی انگریزی میں کیا کرتی تھیں، جیسے ٹکنا ہے تو ٹِک نہ تو گو، وہ کبھی نہ بھولے کہ وہ پیر مجیب اللہ قدس سرہ کے خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی پہلی درس گاہ پیر مجیب قدس سرہٗ کی قائم کردہ دارالعلوم مجیبیہ ہے۔ انہوں نے اپنی ذہانت اور علم کی بدولت دارالعلوم مجیبیہ کو انگلینڈ کی لیڈس یونیورسٹی سے اس طرح جوڑ دیا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ دارالعلوم مجیبیہ بھی لیڈس یونیورسٹی کا ایک حصہ اور اس تک پہنچنے کا پہلا زینہ ہے۔ جیسا کہ مولانا مشہود احمد قادری ندوی پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ نے اسی کتاب میں حرفے چند کے تحت لکھا ہے :

''مولانا عبداللہ عباس ندوی ایک جید عالم دین، باوقار معلم، محقق، نقاد، قابل قدر مصنف، فلسفی اور بہترین صحافی تھے۔ تفسیر، حدیث فقہ، منطق وفلسفہ، لسانیات کے ساتھ ساتھ عربی و اردو شاعری پر بھی آپ کی نگارشات، وابستگان تعلیم وتعلم کے لئے بیحد مفید اور کارآمد ہیں۔''

ایسی ہمہ گیر شخصیت، جس کی زندگی کے نہ معلوم کتنے گوشے ہیں، کسی ایک گوشہ کو بھی سامنے لانے کے لیے یا اس پر روشنی ڈالنے کے لیے گہرے علم اور تحقیق وتجسس کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر شبنم فاطمہ جو ابتدا ہی سے عربی زبان وادب کی طالبہ رہی ہیں، اسی زبان کے توسط سے وہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ تک پہنچیں اور پھر اپنے ریسرچ کے ذریعہ ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کو سمیٹ کر اختصار کے ساتھ یکجا کر دیا ہے۔ مولاناؒ کے اوپر لکھی گئی بہت ساری کتابوں اور ریسرچ ورک کے درمیان ڈاکٹر شبنم فاطمہ کی کتاب ''ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ایک مطالعہ'' — ڈاکٹر صاحبؒ کی زندگی کی روشن اور جگمگاتی راہوں میں ایک نمایاں قندیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے خیال سے اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے — اختصار، تجسس، تحقیق اور اس دور کے علمی، ادبی وتہذیبی ماحول کی بھرپور عکاسی۔

چونکہ ڈاکٹر فاطمہ عربی زبان وادب کی طالبہ رہی ہیں، اس لیے انہوں نے جب ڈاکٹر صاحبؒ کی عربی زبان وادب سے وابستگی اور اس پر عبور حاصل کرنے کی کوششوں کا تذکرہ شروع کیا تو تمہید کے طور پر عرب وہند کے تعلقات سے گفتگو کا آغاز کیا اور اس کے تحت ہندوستان میں عربی زبان وادب کے فروغ اور اس کے اہم ترین علمی وتدریسی مراکز کا تعارفی ذکر کیا۔ اس کے بعد ''عبداللہ عباس ندوی — زندگی اور کارنامے'' کے تحت ممدوح کتاب کے خاندانی منظر وپس منظر، ان کی تعلیم و تربیت، ان کے اساتذہ اور ان کے دیگر سوانحی احوال وکوائف یکجا کرنے پر توجہ دی تاکہ مولانا محترم کی شخصیت کے تمام گوشے حسن وتوازن کے ساتھ روشن ہو جائیں، جیسا کہ عرض کیا گیا مولاناؒ کی زندگی پر لکھنے والوں کی کمی نہیں، لیکن ڈاکٹر فاطمہ نے تمام گوشوں کو گُرید گُرید کر سامنے لانے کی بڑی اچھی کوشش کی ہے اور اس میں بہت حد تک کامیاب ہیں۔

ایک بات جو بہت کھٹکتی ہے وہ کتاب کی غلطیاں — کمپوزنگ کی غلطیاں، تذکیر وتانیث کی غلطیاں، جملے کی ساخت کی غلطیاں، بے ربط جملے وغیرہ سبھوں کی نشاندہی یہاں پر مشکل ہے۔ بہتر ہے کہ دوسرے ایڈیشن سے پہلے اس پر نظر ثانی کر کے یہ غلطیاں سدھار لی جائیں۔

بہر حال کتاب بہت ہی جامع، پڑھنے کے لائق اور قابل قدر ہے۔ اردو زبان وادب سے تعلق رکھنے والوں سے اس کی امید کی جاتی ہے کہ وہ تین سو روپئے میں یہ کتاب خرید کر نہ صرف مولاناؒ کو خراج عقیدت پیش کریں گے، بلکہ مولاناؒ کی دِلی آرزو ــــ ''زبان وادب کی خدمت'' کو پروان چڑھانے میں تعاون کریں گے۔

* * * * * * * * * *

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی موجودہ چند اہم مطبوعات درج ذیل ہیں :

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف/مرتب/مترجم	قیمت
01	سوانح حضرت محی الملۃ والدین	حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ	100/-
02	سوانح حضرت امان المستجیرین	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری	100/-
03	صحیفۂ امان	ڈاکٹر سید شاہ فتح اللہ قادری	50/-
04	آداب وفضائل درود وسلام ملحقہ روح کائنات	حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ	90/-
05	اسلام میں بدعت کا مفہوم	حضرت مولانا شاہ محمد عزالدین قادریؒ	20/-
06	عرس اور اس کی معنویت وحقیقت	حضرت مولانا محمد تشفیع اللہ سہسرامیؒ	15/-
07	سفرنامۂ حیات (خودنوشت سوانح)	حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ	150/-
08	بستان الاکرام اُردو ترجمہ تذکرۃ الکرام	حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیات قادریؒ	300/-
09	رسالۂ نماز برائے اطفال	جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ	50/-
10	حضرت مریم علیہا السلام	مولانا سید لطف اللہ قادری	60/-
11	احوال مولائے کائنات	حضرت فیاض المسلمین قدس سرہٗ/ تحشیہ وتخریج: جناب حضور مدظلہ	140/-
12	سیرت پیر مجیب (جدید ایڈیشن مع اضافہ)	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری	400/-
13	خانوادۂ سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری	200/-
14	نغمات الانس فی مجالس القدس	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری	350/-
15	یزید حقائق کے آئینے میں (جدید ایڈیشن مع اضافہ)	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری	100/-
16	خانقاہ حضرت تاج العارفین	محمد سجاد حسین قادری مجیبی	100/-
17	The Magnificence of Peer Mujeeb	Dr. Syed Shamim Ahmed Quadri Amani	400/-
18	رسالۂ قنوت نازلہ	حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ	20/-
19	صلوات اللہ الجلیل علی نبیہ الحبیب الجمیل	حضرت فیاض المسلمین قدس سرہٗ/ ترتیب وترجمہ: جناب حضور مدظلہ	500/-

نعت

● جمال احمد جمالؔ — کراچی، پاکستان

دیارِ عشق سے، ہو آئی پھر، صبا دیکھو ❁ سبک خرامی و اندازِ خوش ادا دیکھو
نوائے نیم شبی، اپنی کام آہی گئی ❁ گزر گئی شبِ غم، حاصل دعا دیکھو
ہمارا عشق، حضوری میں باریاب ہوا ❁ جو دیکھو، کیفیتِ عجزِ مدعا دیکھو
ہمارا دامن کوتاہ، اُن کا دست کشاد ❁ وہ شاہِ کون و مکاں، صاحبِ سخا دیکھو
انہیں کے لمس کفِ پا سے، مشک بو ہے زمیں ❁ نشانِ راہ ہے منزل کا، نقشِ پا، دیکھو
وہ ایک پیکرِ رحمت، پیمبروں کے امام ❁ شکستہ حال، غریبوں کے ہم نوا دیکھو
خیالِ گنبدِ خضرا سے، روشن و تاباں ❁ جبینِ شوق، سرِ جادۂ وفا دیکھو
سمٹ گئی ہے، ہماری مسافتِ رہِ عشق ❁ نہ ابتدا ابھی دیکھو، نہ انتہا دیکھو

رہِ سفر میں، متہِ دل، جمالِ منزل ہو
نہ دردِ عشق کو دیکھو، نہ تم دوا دیکھو

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

نعت

● وارث ریاضی ـــ کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

دیارِ شہِ انبیا ہے مدینہ ❁ دبستان رشد و ہدا ہے مدینہ
الٰہی! ترے عالم انس وجاں میں ❁ تجلّی وحدت نما ہے مدینہ
جہاں علم و دانش کا بہتا ہے دریا ❁ وہ سرچشمۂ باصفا ہے مدینہ
جہاں وردِ صلّ علیٰ ہر زباں پر ❁ وہ شہرِ رسولِ خدا ہے مدینہ
جہاں ہر طرف نورِ عرفاں ہے خنداں ❁ وہ فردوس خیر الورا ہے مدینہ
جہاں سر جھکانے میں تسکیں ہے دل کی ❁ وہ سجدہ گہہِ مصطفا ہے مدینہ
جہاں مفت ہر رنج وغم کی دوا ہے ❁ نبیؐ کا وہ دارالشفا ہے مدینہ
ہوا سلسلہ بند وحی و خبر کا ❁ ہدایات کا منتہا ہے مدینہ
ہوائیں معطر، فضائیں مصفّا!! ❁ حیات آفریں، کیف زا ہے مدینہ
مرا مقصدِ زندگی مدحِ آقاؐ ❁ محبت کا میری صِلا ہے مدینہ
دل وجاں پہ ہیں نقش طیبہ کی یادیں ❁ نگاہِ وفا میں بسا ہے مدینہ
حقیقت مدینے کی مجھ سے نہ پوچھو! ❁ خدا جانتا ہے کہ کیا ہے مدینہ؟

زبانِ عقیدت رہے حد میں وارثؔ
کہ نازک مقامِ ثنا ہے مدینہ

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

تضمین برنعت

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ

● ڈاکٹر التفات امجدی ـــــ خانقاہ امجدیہ اسٹیشن روڈ، سیوان، بہار

اول و آخر توی، اعلا توی بالا توی ❁ از پئے ما بے کساں، ملجا توی، ماوا توی
یا شفیع المذنبیں در حشر امیدِ ما توی ❁ ''یارسول اللہ حبیبِ خالق یکتا توی''
''برگزیدہ ذوالجلالِ پاک بے ہمتا توی''

تیرے چہرے سے ہے دن، تیری زلفوں سے ہے رات ❁ ہے ترے صدقے سے قائم بزم گیتی کی حیات
تو نے دی انسانیت کو ظلمتِ شر سے نجات ❁ ''نازنین حضرت حق صدر و بدرِ کائنات''
''نورِ چشم انبیا چشم و چراغِ ما توی''

وہ حبیبِ کبریا ہیں، اور وہ ذاتِ لاجواب ❁ لے کے آئے ہیں جہاں میں رحمتِ حق بے حساب
تیرگی شب میں تھے بستر پہ جب وہ محوِ خواب ❁ ''در شبِ معراج بودہ جبرئیل اندر رکاب''
''پا نہادہ بر سریرِ گنبد اعلا توی''

نسل تو امروز ہم غرق مئے و پخت و پز یست ❁ بندۂ عاصی چو من ہم عاشق بنتِ رز یست
ذات مومن از برائے آزمایش مرکز یست ❁ ''یارسول اللہ تو دانی امت تو عاجز یست
''عاجزان و بے کساں را رہبر اعلا توی''

دونوں عالم کا نگہباں بحر و بر کا پاسباں ❁ سارے عالم کی زباں پر ہے تری ہی داستاں
التفاتؔ امجدی پر بھی ہے تو ہی مہرباں ❁ ''شمس تبریزی چہ داند نعت تو پیغمبراں''
''مصطفیٰ و مجتبیٰ و سید اعلا توی''

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

منقبت

● امیمہ قادری ـــ دارالشرف، جھریا، دھنباد

کیسی بے مثل ہے مولا کی شجاعت دیکھو
دم نہیں مارتے یہ اہل شقاوت دیکھو

روکے کہتی تھی لعینوں سے یہ کربل کی زمیں
دلبر و جان محمد کی اطاعت دیکھو

کیا ستم ہے ہوا چھلنی علی اکبر کا جگر
صورت احمد مرسل سے عداوت دیکھو

چشم گریاں بھی لہو رو رو کے خوں ناک ہیں اب
آہنی تیر سے اصغر کی ضیافت دیکھو

دیکھنا چاہو اگر فاتح خیبر کی جھلک
قاسم و عون و محمد کی ارادت دیکھو

زخمی عباس ہوئے مشک سکینہ کے لیے
لاکھوں اعداء میں علمدار کی جرأت دیکھو

حق کو باطل سے الگ کر کے دکھایا جس نے
دختر حیدرِ کرار کی حکمت دیکھو

مدح شبیر لکھا خود پہ نازاں ہو نہ کیوں
کتنی خوش کن ہے امیمہؔ کی جسارت دیکھو

****

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے ❁ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی..... کچھ دوسروں کی

ہندوتوا وادیوں کی قلابازیاں :

کسی طرح سے ایک ملک کی جمہوریت ختم ہوجائے، کسی طرح سے عدل وانصاف کے سارے راستے بند ہوجائیں اور کسی طرح سے ملک کا آئین بدل دیا جائے — اسی دھن میں آج کل پوری برسرِاقتدار جماعت سرگرداں ہے۔ کسی سے بات کیجئے وہ یہی کہے گا کہ کسی طرح مودی کو برسراقتدار لانا ہے — کیونکہ اس جماعت کے ہر فرد کا مرکزی خیال یا فکری تصور صرف مودی ہیں — مودی ملک میں انقلاب لادیں گے، مودی پارلیمنٹ کو توڑ کر، آئین کو بدل کر ملک میں صدارتی نظام قائم کردیں گے۔ اور مودی یہ کردیں گے وہ کردیں گے کیونکہ مودی ہندوسمراٹ ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ مودی کے یہ متوالے، ملک میں پھیلی ہوئی بے تحاشہ مہنگائی، بے انتہا غربت، حد سے زیادہ گرتی معیشت اور روپئے کی قدر و قیمت انہیں بالکل متاثر نہیں کررہی ہے — وہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ملک میں لوگ کس طرح قانون کی دھجیاں اڑا رہے ہیں، بلاخوف وخطر ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کو آنکھیں دکھا رہے ہیں اور سارے آئینی اداروں کو مفلوج کرکے یرغمال بنالیا گیا ہے۔ ان سب باتوں کی طرف سے، جن کی وجہ سے ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے، لوگوں کی آنکھیں بند ہیں، انہیں صرف یہ نظر آتا ہے کہ مسلمان بچے مدرسوں میں دینی تعلیم کیوں حاصل کررہے ہیں، مسلمان عورتیں طلاق پاکر نئی زندگی کیوں شروع کررہی ہیں، دربدر کی ٹھوکر کیوں نہیں کھارہی ہیں۔ ایسی اور بہت ساری باتیں ہیں جن کی وجہ سے پورا ملک

انتشار میں مبتلا ہے۔ان کی یہ آرزو پوری نہیں ہورہی ہے کہ آئین، قانون اور سارے اخلاقیات کو پس پشت ڈال کر بابری مسجد کی زمین ان کے حوالہ کردی جائے، آخر مودی جی کو بھی دنیا میں منہ دکھانا ہے۔کہیں نہ کہیں سے امن کا اعلیٰ ایوارڈ لے کر آنا ہے۔لیکن آخر وہ کیا کریں انہیں تو آئندہ انتخاب بھی جیتنا ہے۔اس کے لیے انہیں ملک کی گنگا جمنی تہذیب کو پامال کرنا ہی ہے، ہندو مسلم اتحاد کو تار تار کرنا ہی ہے تاکہ انہیں اکثریتی ووٹ مل سکے— مودی کو دوبارہ اقتدار سونپنے کے لیے ان کے گُرگے ہر طرح کی قلابازیاں کھارہے ہیں— سبھوں میں ناکام ہونے کے بعد— اب بات بابری مسجد میں آکر ٹک گئی ہے۔یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اسی ہنگامہ میں یہ مسئلہ حل ہوجائے اور مندر بنانے کا کام شروع ہوجائے۔ان کے لیے مشکل ہے کہ عدالت عالیہ نے اِسے فوراً حل کرنے سے معذوری ظاہر کی ہے اور اسے آئندہ سال تک ٹال دیا ہے، اسی لئے چور دروازے سے قانون بنا کر یا بھیڑ بلا کر مندر بنانے کی راہ ہموار کی جارہی ہے، لیکن اب یہ مشکل ہوگیا ہے۔بھیڑ نے مسجد توڑ دیا، بھیڑ نے لوگوں کو قتل کردیا، بھیڑ نے فسادات کرادئے— یہ سب باتیں اب ملک میں لوگوں کو راس نہیں آرہی ہیں، اس لیے 'بھیڑ نے رام مندر بنادیا' کا فارمولا بھی کام کرنے والا نہیں ہے۔اب ہر قیمت پر سپریم کورٹ کے فیصلہ آنے تک بابری مسجد تنازعہ کو اُسی حالت میں رہنے دینا ہے جیسا ابھی وہ ہے۔اسی میں سب کی بھلائی ہے۔

ششماہی امتحان دارالعلوم مجیبیہ :

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف کا ششماہی امتحان صفر المظفر ۱۴۴۰ھ کے آخری عشرہ میں منعقد ہوا، جس میں جناب مفتی اسلم احمد امانی پرنسپل مدرسہ محمدیہ محی الدین پورکشن گنج کے زیر نگرانی درجہائے عربی وفارسی اور جناب حافظ ظل کبریا صدیقی ومولانا حافظ مظہر کبریا صدیقی پٹنہ کے زیر نگرانی درجات حفظ وقرأت کے امتحانات انجام پائے، اس کے بعد ۱۴؍ربیع الاول ۱۴۴۰ھ تک کے لیے دارالعلوم مجیبیہ بند کردیا گیا۔

معمولات خانقاہ بماہ ربیع الثانی :

۱۱؍ربیع الثانی عرس حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی قطب ربانی سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ— ۱۱؍کی شب میں اور ۱۱؍کے دن میں قل ومجلس سماع کا اہتمام ہوتا ہے اور بعد نماز ظہر زیارت موئے مبارک نبی کریم ﷺ ہوتی ہے— بعد زیارت موئے مبارک حضرت صاحب المقام الاویسیۃ النبویہ مولانا سید شاہ محمد وارث رسولنما قادری بنارسی قدس سرہٗ کا قل وفاتحہ اور مجلس کا اہتمام ہوتا ہے۔

خانقاہ مجیبیہ کے زیر اہتمام آستانہ حضرت وارث رسولنما بنارس میں ۱۳؍ربیع الثانی سے ۱۶؍ربیع الثانی تک عرس کا سلسلہ رہتا ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ جمادی الاولیٰ :

۲۹ر جمادی الاولیٰ ،اعراس حضرت محی الملۃ والدین امیر شریعت مولانا الحاج سید شاہ محمد محی الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ ،حضرت امان المستجیرین عارف باللہ مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ وحضرت رضوان من اللہ رب العالمین عارف باللہ مولانا الحاج سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ ،۲۸ر دن گزار کر شب ۲۹ر وروز ۲۹ر کو قل ومجلس سماع ہوتی ہے۔

۲۹ر جمادی الاولیٰ اعراس حضرت شمس العارفین امیر شریعت مولانا سید شاہ محمد قمر الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ و حضرت استاذ العلماء امام المتقین مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۲۹ر کو بعد نماز عشاء قل ومجلس سماع ہوتی ہے۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

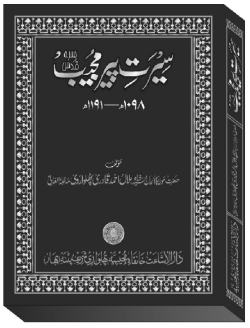

سیرتِ پیر مجیب قدس سرہ

(جدید ایڈیشن مع اضافہ)

مؤلف

حضرت مولانا الحاج شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی مدظلہ العالی

خانوادۂ مجیبیہ کے ایک نکتہ سنج ،دقیقہ رس ،ذی وقار عالم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مدظلہ العالی کی مایۂ ناز گرانقدر تالیف ہے،جس میں بانیٔ خانقاہ مجیبی حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ کے علمی وعرفانی کمالات ،دینی خدمات ،ارشاد وہدایت ،تربیت وتزکیۂ نفوس کے طریقے ،خانقاہ مجیبی کی خصوصیات ،حضرت کے کرامات وتصرفات ،خلفاء ومجازین اور ہم عصر علماء ومشائخ کے حالات نہایت احسن پیرایے میں تحریر کئے گئے ہیں ۔یہ کتاب خانقاہ کے بزرگوں کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنے والوں کے لئے انمول تحفہ ہے،جو بہت ساری نادر ونایاب کتب ورسائل اور قلمی نسخہ جات کا جامع مجموعہ ہے ۔یہ کتاب ایک اہم تاریخی دستاویز کے ساتھ ساتھ واقعات وحالات کا ایک دلچسپ مرقع بھی ہے،جسے ترتیب دے کر مؤلف نے قارئین ومستفیدین پر احسان عظیم فرمایا ہے ۔پوری کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے،جس کے ہر باب کے اندر کثیر معلومات اور ان گنت شواہد کے ذخائر موجود ہیں ۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر مستند تاریخ ،جامع سوانح ہے،جو دیدہ زیب طباعت اور خوشنما سرورق سے مزین 480 صفحات پر مشتمل ہے ۔اس کتاب کی قیمت محض -/400 روپے ہے ۔دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے آج ہی حاصل کیجئے اور اپنی معلومات میں اضافہ کیجئے ۔

رابطہ : 9006306098 ,+91-7004955974

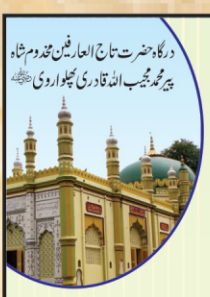

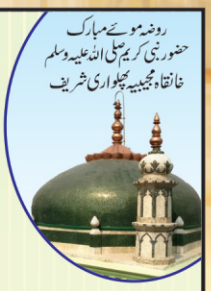

یوم ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پرمسرت موقع پر ہماری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیے

زیارت وعرس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عالم چہ شود ہم سرو ہمتائے محمد ❁ نور است ہمہ نور سراپائے محمد

حضرات! عظمت ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ایمان کی بنیاد ہے۔ خانقاہ مجیبیہ میں عشق وعظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سراج وہاج کئی صدیوں سے روشن ہے، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عرس مبارک خانقاہ مجیبیہ کا سب سے مہتم بالشان اور بڑا عرس ہے۔ وہ ۱۲ ربیع الاول کو پورے اہتمام واحترام کے ساتھ کئی صدیوں سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ تقریبات عرس شریف نبوی کا ایک اہم حصہ موئے مبارک زلف نبوی کی زیارت ہے اور یہ غیر معمولی احترام وعظمت اور جذبۂ عشق ومحبت کے ساتھ کرائی جاتی ہے۔ اس عظیم الشان مجمع میں زیارت موئے مبارک کا منظر دلوں کو عقیدت ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبوں سے معمور کردیتا ہے۔

اس ایمان افروز اور روح پرور تقریب عرس سے اگر آپ فیضیاب ہوکر اپنے قلب کو عشق مصطفےٰ سے روشن کرنا چاہتے ہیں تو پروگرام عرس شریف یاد رکھیں۔ یوم ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ومسعود موقع یہ روح پرور تقریب مسلمانوں کے لئے حصول فیض وبرکت کا سبب ہے۔

عرس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص معمولات

- ★ ۱۰ ربیع الاول کو بعد نماز عشاء بیان سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
- ★ شب ۱۱ ربیع الاول (آخر رات میں) چار بجے قل وفاتحہ اور اس کے بعد مجلس سماع، پھر اپنے وقت پر نماز فجر باجماعت پورے اجتماعی نظم وضبط کے ساتھ۔ نماز کے بعد مجلس سماع گیارہ بجے دن تک۔
- ★ ۱۱ ربیع الاول کو بعد نماز عشاء جلسۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
- ★ شب ۱۲ ربیع الاول (آخر رات میں) چار بجے قل وفاتحہ اور اس کے بعد مجلس سماع نماز فجر سے پہلے تک، پھر نماز فجر اپنے آداب وشرائط اور جماعت کے ساتھ۔ نماز کے بعد مجلس سماع بارہ بجے دن تک، بعدۂ آخری قل وفاتحہ۔
- ★ ۱۲ ربیع الاول کو نماز ظہر ڈھائی بجے بعدۂ موئے مبارک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت، تقریباً ڈیڑھ گھنٹے۔

عرس وزیارت کی تمام تقریبات حضرت صاحب سجادۂ خانقاہ مدظلہ کی شرکت، نگرانی اور سرپرستی میں انجام پاتی ہیں۔

- ★ آثار شریف کی زیارت ختم ہونے کے بعد نماز عصر اور بعد نماز مجلس سماع مغرب سے پہلے تک — (اختتامی مجلس)
- ★ ۱۲ ربیع الاول کی صبح کو ۷ بجے سے ۱۰ بجے تک خانقاہ کے زنانہ مکان میں مستورات کے لئے قدیم معمولات کے مطابق آثار شریف کی زیارت کا نظم کیا جاتا ہے۔

یہ معمولات ومراسم، بانی خانقاہ مجیبیہ حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ پیر محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ کے عہد پاک سے ہیں۔

ISSN 2320-8600 The ALMOJIB Quarterly
Vol.No. :58 | October, November & December 2018 | Sl.No. : 04
The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar
Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)
Ph. No. (0612) 2555572, Telefax : 2555305, Mob. No. +91-9006306098, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com

چھورقی المجیب کیلنڈر

₹ 50/- Size : 17x22.5

2019ء کے لئے واضح اور جلی حرفوں میں قمری و انگریزی تاریخوں کے ساتھ خوبصورت و خوش منظر چھورقی المجیب کیلنڈر منظر عام پر آگیا ہے، جس میں سرکاری و مذہبی تہواروں کے علاوہ مشہور و معروف بزرگان دین کے اعراس و تاریخ وصال کی مکمل نشاندہی ہے، خصوصاً خانقاہ مجیبیہ کے سبھی قل و اعراس کی تاریخیں سرخ حرفوں میں لکھی گئی ہیں۔

کیلنڈر کا انداز انوکھا، کاغذ عمدہ اور طباعت پرکشش و دیدہ زیب ہے، خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے صرف **-/50** روپے میں جلد طلب فرما کر بھرپور فائدہ اُٹھائیں اور اپنے گھروں کی خوبصورتی میں اضافہ کریں۔

Published by **Mohd. Minhajuddin Mujeebi** on behalf of Darul Esha'at Khanquah Mujeebia,
Editor : Dr. Shah Fatahullah Quadri, Printed at Taj Offset Press, Daryapur, Patna-800004
and Published at Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)